یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے قرآنی و نبوی مکالمات، اسلوب و نتائج

پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی
چیئرمین شعبہ قرآن و تفسیر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی،

ABSTRACT

Quranic and Prophetic dialogue to Jews, Christen and pagans (Mushrik) : Style and effects

Basically, this article is divided into two parts, in first part there are dialogues of Quran with Jews, Christen and pagans. In second part, there are dialogues of Prophet (P.B.U.H) to these three groups.

Quran has adopted two ways of dialogue to these three perverted groups:

1) In one way the hate is being shown through narrating their refuted believes.

2) In second way their doubts have been denied in effective manner.

Prophet (P.B.U.H) dialogued with non-Muslims through letters, preached Islam and convinced them to follow the teachings of Islam.

Dialogue is the finest and effective way of communication which leaves long lasting effects on humans. Same effects have been discussed in this article.

اس سے قبل کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کے مکالمات اور ان کے نتائج و اثرات بیان کیے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مکالمہ کی مبادیات کو زیر بحث لایا جائے تا کہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے:

مکالمہ کا مفہوم

مکالمہ اصل میں عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ایک شخص کا دوسرے سے کلام کر بات، بات کرنا، گفتگو کرنا، بات چیت کرنا۔ جب ہم عربی میں کہتے ہیں: ''تکلمته هاتفیاً'' تو اس کے معنی ہوتے ہیں: ''میں نے اس سے ٹیلیفون کے ذریعہ بات چیت کی'' یعنی مکالمہ کیا۔

عربی میں مکالمہ ہی کے لیے ''الحوار'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس لفظ کی اصل ''الحَوْر'' ہے (ح پر زبر اور واؤ ساکن ہے)، جس کے معنی ہیں ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف رجوع کرنا۔ الحوار کے معنی ہیں ''گفتگو'' جو طرفین میں کلام، بات چیز کے ذریعہ معرض وجود میں آتی۔ یہ گفتگو سازگار ماحول میں ایک طرف کے افراد سے دوسری طرف کے افراد اور دوسری طرف کے افراد سے پہلی طرف کے افراد کی طرف لوٹتی اور منتقل ہوتی رہی ہے (۱)۔

مکالمے کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ یہ ایک مخصوص موضوع کے بارے میں دو افراد کے درمیان بھی ہوسکتا ہے۔ دو ہم مذہب و ہم مسلک اور ہم مکتب گروہوں کے درمیان بھی ہوسکتا ہے، اور دو مختلف تہذیبوں والے اشخاص کے درمیان بھی ہوسکتا ہے۔

مکالمہ (الحوار) گفتگو کا ایک ایسا انداز ہے جس میں بات کرنے والوں اور سننے والوں یعنی متکلمین اور سامعین کے درمیان بغیر کسی واسطہ کے گفتگو ہوتی ہے اور حقائق، جن کے حصول کے خاطر مکالمے کا انعقاد کیا جاتا ہے، واضح طور پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ دونوں طرفین میں سے ایک کا موقف تسلیم کر لیا جاتا ہے یا پھر پیش کیے جانے والے نقلی و عقلی دلائل کی روشنی میں رد کیا جاتا ہے (۲)۔

مناظرہ کا مفہوم

مکالمہ کی طرح مناظرہ میں بھی فریقین میں مخصوص نوعیت کے موضوع پر گفتگو ہی ہوتی ہے لیکن مناظرہ کے دوران بعض اوقات طرفین کے درمیان شدت، کشیدگی اور جھگڑے کی سی فضاء پیدا

ہو جاتی ہے (۳)۔

مجادلہ کا مفہوم

جہاں تک مجادلہ کا تعلق ہے تو یہ بھی مکالمہ و حوار کی طرح فریقین کے مابین کسی بات پر ہوتا ہے لیکن مکالمہ کے مقابلہ میں مجادلہ میں مناظرہ ہی جیسا ماحول بن جاتا ہے۔ گو مناظرہ ہی کے لیے جدال، مجادلہ اور جدل (جھگڑنا) تینوں الفاظ آئے ہیں۔ یہ الفاظ عناد، غلبہ اور عداوت کے مختلف انداز ظاہر کرتے ہیں۔ مجادلہ میں فریقین میں سے ایک اپنی رائے پر ڈٹ جاتا ہے جس سے مخالف فریق کے دل میں دشمنی جیسی مذموم چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا مجادلہ ہی کو مناظرہ اور مخاصمہ کہتے ہیں (۴)

قرآن مجید اور مجادلہ

قرآن مجید میں مجادلہ کا لفظ ایسے مواقع پر استعمال ہوا ہے جو ناپسندیدہ اور غیر سنجیدہ ہیں، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1. ﴿وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ(5).

انہوں نے بے بنیاد باتوں کے ذریعے جھگڑا کیا تا کہ اس (جھگڑے) کے ذریعے حق (کا اثر) زائل کر دیں۔

یہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کفار کے جھگڑنے کو مجادلہ مذمومہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

2. ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ(6).

(اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کسی علم اور ہدایت اور روشنی بخشنے والی کتاب کے بغیر اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں)۔

3. مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ(7).

(اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں کوئی جھگڑا نہیں کرتا سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا، سو ان کا شہروں میں (آزادی سے) گھومنا پھرنا تمہیں مغالطہ میں

نہ ڈالے)۔

اس مقام پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ کفار و مشرکین کا بغیر علم، ہدایت اور روشن کتاب کے حضور ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرنا مجادلہ مذمومہ ہے۔

مجادلہ اچھی طرح بھی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

1۔وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ(8)

2۔وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ(9)

اور (اے مومنو!) اہل کتاب سے نہ جھگڑا کرو مگر ایسے طریقہ سے جو بہتر ہو۔

اسی بنیاد پر علماء کرام نے جدل کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے: ممدوح (محمود) اور مذموم(۱۰)۔

ان اوپر والی آیات میں سے یہ آخری دو آیتیں مجادلہ محمودہ پر دلالت کرتی ہیں اور پہلی تین آیتیں مجادلہ مذمومہ پر۔

قرآن مجید میں جدال کے الفاظ انتیس مقامات پر آئے ہیں، ان سب مقامات پر ان کا مفہوم ناپسندیدہ باتوں پر مناظرہ کرنے یا غیر سنجیدہ گفتگو کرنے کا ہے۔ جبکہ محاورہ کے الفاظ صرف تین مقامات پر آئے ہیں جن میں تبادلہ خیال اور دو فریقوں کے درمیان گفتگو کا مفہوم پایا جاتا ہے(۱۱)۔

قرآن مجید اور مکالمہ (حوار)

قرآن مجید میں لفظ ''الحوار'' صرف تین جگہوں پر وارد ہوا ہے:

1۔فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا(12)

(تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ اس سے تبادلہ خیال کر رہا تھا کہ میں تجھ سے مال و دولت میں کہیں زیادہ ہوں اور قبیلہ و خاندان کے لحاظ سے (بھی) زیادہ باعزت ہوں)۔

2۔قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي

خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلاً(13)

(اس کے ساتھی نے اس سے کہا اور وہ اس سے تبادلہ خیال کر رہا تھا تو نے اس (رب) کا انکار کیا ہے جس نے تجھے (اولاً) مٹی سے پیدا کیا پھر ایک تولیدی قطرہ سے پھر تجھے (جسمانی طور پر) پورا مرد بنا دیا)۔

3.قَدْ سَمِعَ اللَّـهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ(14)

(بے شک اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہی تھی، اور اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے باہمی سوال و جواب سن رہا تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے)۔

ان تینوں آیتوں سے ظاہر ہوا کہ حوار دو طرفین کے درمیان ہوتا ہے(۱۵)

نبی اکرم ﷺ کی احادیث میں بھی حوار کا ذکر آیا ہے مثلاً:

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

" وَمَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْكُفْرِ أَوْ قَالَ: عَدُوَّ اللّٰهِ، وَلَيْسَ كَذٰلِكَ إِلاَّ حَارَ عَلَيْهِ"(16)

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: "حار علیه و هو معنی رجعت علیه أی رجع الکفر علیه، فباء وجار ورجع بمعنی واحد"(۱۷)۔

2۔ صحیح مسلم ہی میں ہے: "كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ إِذَا سَافَرَ، يَتَعَوَّذُ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْنِ، وَدَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ، وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ"(18)

یہاں "اَلْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْنِ" کا مطلب ہے "الرجوع من الایمان الی الکفر ومن الطاعة الی المعصیة" یعنی ایمان سے کفر کی طرف اور طاعت

سے نافرمانی کی طرف لوٹنا۔

3۔ جامع صحیح بخاری میں ہے: ''كَانَتْ بَيْنَ أَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ مُحَاوَرَةٌ . . .''(۱۹)

مکالمہ کا مقصد

مکالمہ کا مقصد (۲۰) یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کو اپنا ہم خیال بنایا جائے ان سے دوستی قائم کی جائے۔ مکالمہ کے اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ مسلمان دوسرے مذاہب کے لوگوں سے اس لیے مکالمات نہیں کرتے کہ وہ انہیں اپنا مخالف اور دشمن بنائیں، جیسا کہ بالعموم مناظروں میں ہوتا ہے، بلکہ اس لیے مکالمات کیے جاتے ہیں کہ انہیں اپنے دین اسلام کی حقانیت سے آگاہ کریں تاکہ وہ اپنے باطل افکار و نظریات اور فاسد عقائد کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور جہنم کا ایندھن نہ بننے پائیں۔ مکالمہ کے اہداف میں سے کچھ حسب ذیل ہیں:

ا۔ دعوت

مکالمے کا پہلا اور بنیادی ہدف یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے دوسروں کو اسلام کی دعوت دی جاتی ہے۔ مدعوین کفار بھی ہو سکتے ہیں اور مشرکین بھی۔ مبتدعین بھی ہو سکتے ہیں اور ملحدین وغیرہ بھی۔ ان میں سے جو بھی ہوں انہیں حکمت کے ساتھ دعوت دی جائے۔ اگر نوبت مجادلے تک پہنچ جائے تو پھر عمدہ انداز سے مجادلہ کیا جائے نہ کہ لڑا اور جھگڑا جائے۔ نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ادْعُ إِلَى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ (21)

(اے رسول معظم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔

۲۔ حق تک رسائی حاصل کرنا

مکالمات کرنے کا دوسرا ہدف یہ ہے کہ ان کے ذریعہ اور وسیلہ سے حق تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دین اسلام میں دعوت و تبلیغ کا کام اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو حق کی

پہچان کرائی جائے (۴۲)۔

۳۔ باطل کو ظاہر کرنا

مکالمہ کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ اس سے باطل امور اور اشیاء کو سامنے لایا جاتا ہے اور دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے کہ جس راستہ پر مقابل فریق چل رہا ہے وہ سیدھا راستہ نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد گمراہی اور ضلالت ہے جو کہ باطل ہے۔

۴۔ مفید اشیاء کی تحقیق

مکالمات کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے کچھ ایسی مفید اشیاء کی تحقیق ہو جاتی ہے جو سامعین کے لیے وقار و عزت کا سبب بن جاتی ہیں، مثلاً کافر سے مکالمہ کرنے کا یہ فائدہ ہوگا کہ اس سے اسلام کی شان و شوکت کا پتہ چلے گا۔ اس سے مومنین کے ایمان میں مزید پختگی پیدا ہوگی اور وہ بڑھتا چلا جائے گا۔

۵۔ سامعین کو تعلیم دینا

مکالمے کا ایک ہدف یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے سامعین کو تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جس میں جبریل علیہ السلام اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان مکالمہ ہوا ہے۔ اس میں اسلام، ایمان، احسان اور علامات قیامت کے بارے میں مکالمہ ہوا ہے تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان چیزوں کے بارے میں سیکھ لیں۔ اس پر حدیث کا آخری جملہ دلالت کرتا ہے۔ جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ'' (۴۳)۔

مختصر یہ کہ ''مکالمہ کا ہدف ہوتا ہے گفت و شنید کے ذریعے سے فریق مخالف کی اصلاح کی جائے اور اس کو اپنے موقف پر قائل کیا جائے۔ اگر فریق مخالف کی دلیل قوی ہو تو اسے بھی تسلیم کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ فریقین ایک دوسرے کو ایک اور ذریعے سے بھی قائل کرتے ہیں اور وہ انتہائی خطرناک ذریعہ ہے جو آغاز انسانیت سے استعمال ہو رہا ہے اور وہ طاقت اور جنگ کا ذریعہ اور راستہ ہے۔ طاقت کے ذریعے سے دوسرے کو وقتی طور پر قائل کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے نتائج دور رس نہیں ہوتے۔ اس میں قتل و غارت ہوتی ہے ظلم و زیادتی ہوتی ہے۔ طاقتور اپنی بات منواتا ہے۔ کمزور مجبوراً سر تسلیم خم کرتا ہے۔ لیکن جیسے ہی فاتح یا طاقتور کمزور پڑتا ہے، کمزور اور شکست خوردہ حرکت میں آجاتا ہے

اور ظلم و جور کا بازار پھر گرم ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں جتنے بھی ظالم حکمران گزرے ہیں جب تک وہ طاقتور رہے ان کا سکہ چلتا رہا اور جیسے ہی کمزور ہوئے دنیا سے ان کا نام و نشاں تک مٹ گیا۔ اس کے برعکس ایسے مصلحین جنہوں نے لوگوں کو دلائل سے سمجھایا یا مکالماتی اسلوب کے ذریعے سے دعوت دی، لوگوں کو ان کی مرضی پر چھوڑا، اعلیٰ اخلاقیات اور کردار سے متاثر کیا، دعوت و تبلیغ اور گفت و شنید کا رویہ اختیار کیا اگرچہ وہ طاقتور نہ تھے لیکن ان کی تاثیر دنیا میں ختم نہ ہو سکی جیسے تمام انبیاء علیہم السلام اور بانیان مذاہب کی موت کے بعد ان کا اثر تادیر باقی رہا بلکہ ان کے پیروکار بڑھ چڑھ کر اس میدان میں نکل کھڑے ہوئے اور ان کی دعوت کو پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس لحاظ سے جنگ اور طاقت دیرپا اور دوررس نتائج نہیں رکھتی جبکہ مکالمہ کا اثر دائمی و ابدی ہوتا ہے" (۲۴)۔

مکالمہ کی ضرورت و اہمیت

اوپر مکالمہ کے جو مقاصد اور اہداف بیان ہوئے ان سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دین اسلام کی دعوت و تبلیغ کے عمل کے لیے اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل کے حل کے لیے مکالمہ کے اسلوب بالخصوص مکالمہ بین المذاہب کی کس قدر ضرورت و اہمیت ہے۔ چنانچہ سید ابو المعصور اس ضرورت و اہمیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

۱۔ ہر اہل ایمان پر فرض ہے کہ غیر دین والوں سے بھی بقدر امکان واقف کاری حاصل کرے کیونکہ اگر ضروری نہ ہوتا تو خدائے عالم الغیب مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے عقائد سے خبر نہ دیتا۔

۲۔ قرآنِ مجید میں غیر مذہب والوں کی ہدایت کے لیے اول تعلیم ہے۔ بعد میں وہ اگر نہ مانیں تو اس کی جواب دہی خدا کے سامنے ان ہی کے ذمہ ہے۔ لیکن جب تک تم ان پر حجت تمام نہ کرو تب تک ان کی جواب دہی خدا کے سامنے تمہارے ذمہ ہے کیونکہ یہ کام خدا نے تمہارے ہی ذمہ لگایا ہے۔

۳۔ ایک عالم لاعلمی کے باعث اگر غیر مذہب والے کے سامنے چپ ہو جائے تو عام لوگوں کا عقیدہ لغزش میں آنا اجنبی نہیں بلکہ اس عالم کا حال اس پتھر کی مانند ہے جس میں جنبش نہیں اور اس میں سے صدا بھی بلند نہیں ہو سکتی۔

۴۔ تم سب کتابوں اور نبیوں پر ایمان رکھتے ہو پس جب سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو تو سب کے حال سے بھی واقف ہونا چاہیے۔

۵۔ اگر چہ ہم لوگوں پر مخالفین اسلام کی بے اصلی ثابت ہے لیکن باقی نسلوں اور آئندہ پشتوں میں جو ہم دنیا میں چھوڑ جائیں گے ایسے وقت میں کہ قرب قیامت اور کثرت منکرین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے ضرور ہمیں کچھ حفاظت ایمان کی تدبیر کرنا چاہیے۔اس لیے یہ کام ہم پر اس زمانہ میں نماز و روزہ سے بھی زیادہ فرض ہے کیونکہ ایمان سب سے مقدس ہے۔

۶۔ جو لوگ دنیا میں خدا اور رسول ﷺ کے نام کی حمایت سے کچھ غرض نہیں رکھتے وہ عاقبت میں خدا کو کیا منہ دکھائیں گے اور رسول ﷺ کی شفاعت انھیں کیونکر نصیب ہوگی۔

۷۔ اگر ہم دین اسلام کی حمایت سے ایسے وقت میں پہلو تہی کریں تو وہ لوگ جو انکارِ عظمت اسلام کا غل مچا رہے ہیں ضرور سمجھیں گے کہ اہل اسلام میں اب کوئی دین کی حمایت کرنے والا باقی نہیں رہا۔ یہ کہ اسلام کی صداقت کی بابت کوئی دلیل اور دعویٰ اب باقی نہیں ہے۔

۸۔ جو لوگ اسلام کی حمایت سے غافل ہیں انھیں اپنی تنگی اور معیشت میں خدا سے دعا مانگتے وقت شرم کرنا چاہیے (۲۵)۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ انسانی زندگی کے جملہ امور، خواہ وہ دینی ضرورت کے ہوں یا عام نوعیت کے ہوں، کی انجام دہی کے لیے واحد مؤثر ذریعہ باہمی مکالمہ اور گفتگو ہے۔ یہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو شامل ہے۔اس لیے مکالمہ کے اخلاق کا التزام کرنا ضروری ہے۔ ذیل میں مختلف مصادر و مراجع کی مدد سے ان کی فہرست مرتب کی جاتی ہے اور قاری حضرات سے التماس ہے کہ وہ تفصیلات کے لیے ان مصادر کی طرف رجوع کریں:

اخلاق مکالمہ

کسی انسان کے مختلف نوعیت کے اخلاق کا پتہ اس کی گفتگو اور طرز عمل سے چل جاتا ہے۔ مکالمہ سے مطلوبہ نتائج و ثمرات صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں کہ اس کے لیے حسب ذیل مقرر کردہ اداب و اخلاق کے دائرہ میں رہا جائے:

۱۔ حق تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اخلاص اور نیت کا صحیح ہونا۔

۲۔ گفتگو کا انداز ہر لحاظ سے مہذب اور شائستہ ہو۔

۳۔ دونوں فریق عدل و انصاف کا التزام کریں۔

۴۔ شک و شبہات سے اجتناب کیا جائے۔

۵۔ بیٹھنے کے آداب کا لحاظ رکھا جائے۔ یہ نہ ہو کہ ایک اعلیٰ نظر آئے اور دوسرا ادنیٰ۔

۶۔ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑایا جائے۔

۷۔ برداشت اور صبر سے کام لیا جائے۔

۸۔ مخالف فریق سے نرمی سے پیش آیا جائے۔

۹۔ مخالف فریق کو اچھی طرح سے سنا جائے۔

۱۰۔ ہر موقعہ پر سچائی سے کام لیا جائے۔

۱۱۔ حق بات کہتے وقت شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

۱۲۔ مکالمہ میں سچی باتوں کا اعتراف کیا جائے۔

۱۳۔ بغیر تحقیق کے کوئی بات نہ کی جائے۔

۱۴۔ بہتان بازی اور تہمت طرازی سے اجتناب کیا جائے۔

۱۵۔ غلط فہمی سے بچا جائے۔ جو فریق بھی بات کرے اس کا غلط مطلب نہ لیا جائے۔

۱۶۔ موقع و محل کے مطابق مکالمہ کیا جائے۔

۱۷۔ پہلے سے موضوع مکالمہ کا طرفین کو علم ہو۔

۱۸۔ دوسرے فریق کو بات کرنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔

۱۹۔ دوسرے کی بات کو غور سے سننا چاہیے۔

۲۰۔ مکالمہ کرتے وقت آواز معتدل ہونی چاہیے اور اپنی ذات پر توجہ دینی چاہیے۔

۲۱۔ مکالمہ کے لیے مقرر کیے ہوئے موضوع تک محدود رہا جائے۔ غیر ضروری باتوں سے احتراز کیا جائے۔

۲۲۔ مکالمہ کا اسلوب سادہ ہونا چاہیے۔ پیچیدگیاں پیدا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

۲۳۔ اپنے موقف کو واضح کرنے کے لیے مکالمہ میں مثالوں کو استعمال کیا جائے۔

۲۴۔ مکالمہ مشترکہ امور پر ہونا چاہیے۔

۲۵۔ مقررہ وقت کا لحاظ رکھا جائے۔

۲۶۔ اپنی بات کو منوانے کے لیے دلائل اور حوالے دیئے جائیں۔

۲۷۔ مکالمہ میں فریقین ایک دوسرے کا ادب واحترام کریں۔

۲۸۔ مکالمہ ثمرہ آور ہونا چاہیے۔

۲۹۔ فریقین کو غصہ سے اجتناب کرنا چاہیے(۲۶)۔

مکالمہ کے اصول

مکالمہ کے اغراض و مقاصد کو بیان کرنے کے بعد جو حقیقت نتیجہ کے طور پر سامنے آئی وہ یہ ہے کہ مکالمہ میں حق بات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے اور باطل نظریات کی تردید کرنا پڑتی ہے، خواہ وہ کسی بھی مذہب میں ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مکالمہ بالخصوص مکالمہ بین المذاہب میں منفی نوعیت کے رویوں سے دور رہنا چاہیے جیسے انا پسندی تعصب پسندی اور تنگ نظری وغیرہ، چنانچہ سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

۱۔ ایک مذہب کی تعلیم کو غلط ثابت کرنے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب کی تعلیمات کو کلیتاً غلط ثابت کیا جائے۔

۲۔ نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ایک مذہب میں حق وصداقت موجود ہونے سے دوسرے مذاہب میں اس کا عدم یا غیر موجود ہونا لازم آئے۔ دراصل تمام مذاہب ایک سرچشمہ سے سیراب ہوئے ہیں۔ لہٰذا کیوں دوسرے مذاہب کی حق بات کو چھپایا جائے۔ کھینچ تان کر غلط ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

۳۔ یہ دعویٰ کرنا کہ حق اس مذہب کے سوا کہیں موجود ہی نہیں یہ حق پر بھی ظلم ہے۔ جب کسی مذہب کو ترجیح دی جاتی ہے تو مراد دراصل یہ ہوتا ہے کہ اس مذہب میں تجلیاتِ حق بدرجہ اتم موجود ہیں۔ لہٰذا یہ سمجھنا چاہیے کہ حق و باطل ملے جلے آئے ہیں۔ ان کو ممیز کرنا طالب علم کا کام ہے۔

مذہب جس حیثیت میں خود کو پیش کرتا ہے اسے اسی حیثیت میں دیکھا جائے نہ کہ کسی مذہب

کے متعصب مخالفین اور عالی تعین کی تصانیف سے کوئی تاثر لے کر ذہن بنایا جائے۔ لہٰذا مآخذ اصلیہ پر اکتفا کرنا بہتر ہوگا۔ جب کوئی رائے قائم ہو جائے تو پھر دوسری کتب کا مطالعہ کیا جائے (۲۷)۔

ڈاکٹر اسمتھ نے "مطالعہ یا مکالمہ بین المذاہب کے لیے درج ذیل اصول تجویز کیے ہیں:

۱۔ مذہب کا تقابلی مطالعہ کرنے والا جو کچھ کہے یہ پیش نظر رکھ کر کہے کہ جن لوگوں کے بارے میں وہ کہہ رہا ہے وہ بھی اس کی بات سن رہے ہیں۔ اس اصول کا اثر کم از کم اس بات پر ضرور ہوگا کہ کوئی چیز کس طرح پیش کی جا رہی ہے اور جو کچھ کہا جا رہا ہے۔ شاید اس کی نوعیت بھی اس سے متاثر ہوگی۔ صاف سیدھی بات یہ ہے کہ مصنف کو نہ صرف زیادہ خوش اخلاقی سے بلکہ زیادہ ذمہ داری کے ساتھ لکھنا چاہیے۔

۲۔ کسی مذہب کے بارے میں کوئی بیان اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا، جب تک کہ خود اس مذہب کے ماننے والے بھی اس کی صحت کو تسلیم نہ کر لیں (۲۸)۔

مکالمہ کے فوائد

جب دو مختلف نوعیت کے مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان مکالمہ ہوتا ہے تو اس کے نتیجہ کے طور پر کچھ فوائد و ثمرات حاصل ہوتے ہیں۔ ان ہی نتائج کو مکالمہ بین المذاہب یا مطالعہ بین المذاہب یا تقابل ادیان اور مذاہبت کا تقابلی مطالعہ کے نتائج کہا جائے گا۔ ذیل میں چند فوائد بیان کیجئے جاتے ہیں:

۱۔ حق و باطل کے درمیان ابتداء سے جو معرکہ اور جنگ جاری ہے اس کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے، پروفیسر محمد نواز چوہدری نے اس معرکہ و کشمکش اور مذاہب کے درمیان مکالمہ کے نتیجہ میں کیے جانے والے فرق کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> "مطالعۂ بین المذاہب ہمیں بتاتا ہے کہ ہر قوم اور ہر ملک میں ہادیانِ برحق آتے رہے جو نوعِ انسانی کو خالقِ حقیقی کی طرف دعوت دیتے رہے لیکن انسانوں کی اکثریت ہمیشہ بے شمار باطل معبودوں اور فطری مناظر کے سامنے سجدہ ریز رہی ہے۔ اسی طرح ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دنیوی زندگی حق و

باطل کی رزم گاہ ہے اور اس میں حق پرستوں کے لیے مخالفت ابتلا اور آزمائش لازمی ہے۔ نیز انسانوں کی اکثریت ہمیشہ حق پر نہیں ہوتی" (۲۹)۔

۲۔ مکالمہ بین المذاہب کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے اچھائیوں اور برائیوں کا پتہ چل جاتا ہے اور انسان کے لیے آسان ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو فضائل اخلاق سے مزین اور رذائل اخلاق سے خالی کر لے۔ اس طرح انسان کی اخلاقی ترقی ہوتی ہے، اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالرشید لکھتے ہیں:

"مختلف مذاہب میں بعض مشترک معلومات پائی جاتی ہیں جو ازلی اور ابدی انسانی اقدار ہیں اور فی الحقیقت یہی صداقتیں اور اقدار پائیدار ہیں جو ہر زمانے اور ہر مذہب میں موجود رہی ہیں۔ اس طرح ہم مطالعہ بین المذاہب سے تمام مذاہب کی خوبیوں سے آگاہ ہوتے ہیں اور عملاً انھیں اپنا سکتے ہیں جس سے بلند کرداری، بلندی فکری اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں! مطالعہ مذاہب سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ہادیانِ مذاہب عموماً عالی ہمت، راست گو، مستقل مزاج اور نسلِ انسانی کا بہترین گروہ تھا جو ہم سب کے لیے قابلِ فخر طبقہ ہے۔ اس کے برعکس ان کے مخالفین کینہ پرور، خود غرض، دنیا پرست، کم ہمت، بے بصرے اور گھٹیا کردار کے حامل تھے۔ لہٰذا ہمیں رزائلِ اخلاق سے پرہیز اور فضائل اخلاق کو اپنانا چاہیے" (۳۰)۔

۳۔ مکالمہ بین المذاہب سے ان الہامی اصول و ضوابط کا پتہ چل جاتا ہے جن پر عمل کر کے انسان اپنی دنیا و آخرت، جو دین کے دو شعبے ہیں، کو سنوار سکتا ہے۔ ایسے اصول و ضوابط صرف الہامی مذاہب میں پائے جاتے ہیں (۳۱)۔

۴۔ آج تک دنیا میں جتنے مذاہب اور ان کے ہادیاں گزرے ہیں ان کے ماننے والوں کی تہذیب و تمدن اور ثقافتی ورثہ کسی نہ کسی صورت میں دنیا میں موجود ہوتا ہے۔ اس طرح مکالمہ ایک واحد ذریعہ ہے جس سے مختلف اقوام کے طور طریقوں اور ان کے عروج و زوال کے اسباب کے متعلق اشنائی ہو جاتی ہے۔

۵۔ جب انسان اس دنیا میں معرض وجود میں آیا اس وقت سے اس کا ذہن ارتقائی منازل طے کرتا رہا۔ انسان ہمیشہ سے کچھ اصولوں اور ضابطوں کا متلاشی رہا جن کی روشنی اور مدد سے وہ اپنی زندگی گزار سکے۔ اس سارے عمل میں اس نے اپنے ذہن کو استعمال کیا۔ بعض اوقات اسے حقائق ثابتہ مل جاتے رہے لیکن بعض دفعہ وہ ناکام ہو جاتا رہا۔ انسان کی اس ساری تگ و دو اور اس کی ذہنی و عقلی ترقی کے مختلف مراحل پھر ہر ایک مرحلہ کے رویوں کا علم صرف مکالمہ بین المذاہب سے حاصل ہو سکتا ہے، چنانچہ عبدالقادر الحمد لکھتے ہیں:

> ''مطالعہ بین المذاہب درحقیقت انسان کے مختلف ذہنی رویوں کا مطالعہ ہے۔ ہر مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کی عقل کن کن مراحل میں پڑاؤ ڈالتی رہی۔ کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتی رہی، سچائی کی تلاش میں کن کن مراحل تک پہنچتی اور عملی زندگی میں کن کن اسالیب کی خبر دیتی رہی۔ انسان کی دماغی نشوونما اور عقلی بلوغت کا یہ سفر بہت سی..... ضمنی اور آئینی معلومات کا آئینہ دار ہے۔ عہد در عہد اور نسل در نسل اس سفر کا جو سب سے اہم پہلو اُجاگر ہو کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک ماورا ہستی کی جستجو اور ادراک و احساس خود انسان کی فطرت کا پر جوش مطالبہ تھا۔ اسلام نے اس مطالبے کو بلند کر دیا۔ اس نے بار بار سیدھے سادے انداز میں انسانی عقل و شعور کو مخاطب کیا اور اس کی توجہ مظاہر فطرت کی طرف دلائی'' (۳۲)۔

مولانا وحید الدین خان نے انسانی ذہنی ارتقاء کے بارے میں حسب ذیل حقائق بیان کیے ہیں:

> ''مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک مذہب کے اعتقادات اور دوسرے مذہب کے اعتقادات میں ایسے بنیادی فرق موجود ہیں جو اس دعویٰ کی کھلی تردید کرتے ہیں کہ تمام مذاہب ایک ہیں۔ خدا، پیغمبر، الہام، زندگی اور موت، ہر ایک کے بارے میں مختلف مذاہب میں مختلف تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ کہنا کہ تمام مذاہب ایک ہیں ایک ایسی بات ہے جس کو خود مذاہب کبھی تسلیم نہیں کرتے'' (۳۳)۔

مکالمہ بین المذاہب کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے طرفین کے علم میں وسعت پیدا

ہوتی ہے اور ان کی قوت استدلال میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس حقیقت کا اظہار پروفیسر محمد نواز چوہدری نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''تقابلِ ادیان سے نہ صرف ہماری دینی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ علم و استدلال کی نئی راہ کھلتی ہے۔ ہر مذہب کا اپنا فلسفہ اور علم الکلام ہوتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے درست اور نادرست خوب اور خوب تر کا فرق واضح ہوتا ہے۔ ہم مسلمان ہیں ہمارا دین بفضلِ تعالیٰ عقل و خرد کا دین ہے جو عقلی معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس طرح تقابلِ ادیان سے غیر شعوری ایمان کو شعوری اور عقائد کو مستحکم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ نیز قوتِ استدلال میں اضافہ ہوتا ہے اور تنقیدی نظر کو جلا ملتی ہے'' (۳۴)۔

۷۔ دین کی تبلیغ میں مکالمہ بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جو ایک دوسرے کے افکار و نظریات کو جاننے میں مدد فراہم کرتا ہے ''یوں جب باہم بات کو سمجھنے اور مقابل کے خیالات کو جان لینے والے حالات میں ایک داعی اپنے مذہب کی تبلیغ کرتا ہے تو اسے ان دشواریوں کو سامنا کم کرنا پڑتا ہے۔ اس شخص کے برعکس کہ جس نے مخالف مذہب کی تعلیمات و اخلاقیات کو نہ پڑھا ہو۔ یوں تبلیغ دین میں ایک مثبت رویہ پیدا ہوتا ہے۔ اہل اسلام کو چاہیے کہ وہ خدا کے دین کی دعوت انسانوں تک پہنچانے کے لیے مثبت رویہ اختیار کریں اور اس کام کو نسل در نسل جاری رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ دنیا میں مکمل مذہبی آزادی ہو اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان معتدل تعلقات قائم ہوں'' (۳۵)۔

۸۔ مکالمہ کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے فریقین ایک دوسرے کو سمجھ لیتے ہیں اور وہ دینی و مذہبی ضرورت کے علاوہ دیگر ضروریات سے بھی واقفیت حاصل کر لیتے ہیں جیسے معاشی، معاشرتی اور تعلیمی ضروریات وغیرہ۔ وہ چاہیں تو ان ضروریات کی تکمیل میں ایک دوسرے کی مدد بھی کر سکتے ہیں اور باہمی تجارتی عمل کو فروغ دے کر معقول نفع کما سکتے ہیں کیونکہ ''تجارت ایک ایسا پیشہ ہے جسے شریعت کے مقرر کردہ حدود کے اندارہ کر لیا جائے تو مذہبی فرائض میں خلل پیدا کیے بغیر منفعت حاصل کی جا سکتی ہے (۳۶)۔

مکالمہ کی ان مبادیات کے چیدہ چیدہ متعلقات کو بیان کرنے کے بعد اب ہم یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کے مکالمات کو بیان کرتے ہیں:

اولاً: یہود و نصاری اور مشرکین سے قرآنی مکالمات

جب نبی اکرم ﷺ پر قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا تو دیگر امور کے ساتھ ساتھ اس میں اس وقت موجود یہود و نصاریٰ اور مشرکین میں پائی جانے والی گمراہیوں کو بھی بیان کیا گیا۔ گویا اسلام اور دیگر مذاہب کے مابین مکالمہ کا عمل شروع ہو گیا۔ قرآن مجید نے ان مذاہب کے صحیح اور باطل دونوں طرح کے عقائد و اعمال کو بیان کیا۔ ان کے صحیح عقائد و اعمال کو قرآن مجید نے تسلیم کیا ہے اور باطل عقائد و اعمال کی تردید کی ہے، قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا ذکر بہت واضح انداز میں کیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۱۷۶ھ-۱۷۶۲ء) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب الفوز الکبیر فی اصول التفسیر کے باب اول میں جن پانچ قرآنی علوم کا ذکر کیا ہے ان میں سے دوسرے علم کا نام ''علم المخاصمۃ'' ہے۔ اسی علم کو اصل میں علم المکالمہ یا مکالمہ بین المذاہب یا مطالعہ بین المذاہب کہا جاتا ہے۔ اس علم مخاصمہ کے تحت شاہ صاحب نے یہ بتایا ہے کہ یہود و نصاریٰ کس طرح اللہ تعالیٰ کی آیات کو چھپاتے اور توحید باری تعالیٰ کا انکار کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب کا رد کیا ہے اور اسلام کو سچے اور آخری دین کے طور پر تمام انسانیت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ إِنَّ الدِّيْنَ عِندَ اللّٰهِ الإِسْلاَمُ(۳۷)

۲۔ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيْناً(۳۸)

قرآن مجید کی سورۃ البقرہ میں یہود کا ذکر تفصیل سے آیا ہے اور سورۃ آل عمران میں عیسائیوں کا۔ اس حقیقت کا اظہار ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ نے یوں کیا ہے، لکھتے ہیں:

> ''سورہ فاتحہ کے بعد قرآن پاک کی پہلی دو سورتیں سورہ بقرہ اور سورۃ آل عمران ہیں جو طویل ترین سورتیں ہیں۔ ان دونوں طویل سورتوں کو سب سے آغاز میں رکھنے کی ایک بڑی حکمت پوشیدہ ہے۔ مفسرین نے انھیں ایک دوسرے کا جوڑ قرار دیا ہے۔ حدیث میں انھیں زاہروین کے لقب سے یاد کیا

گیا ہے۔ ان دونوں میں قدرِ مشترک کیا ہے؟ تھوڑا سا غور کریں تو ایک بات جو بہت نمایاں طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ پوری سورۃ بقرۃ یہود اور بنی اسرائیل کی تاریخ و عقائد پر تبصرہ ہے اور پوری آل عمران نصاریٰ اور مسیحیوں کی تاریخ و عقائد پر تبصرہ ہے۔ سورۃ بقرہ میں عیسائیوں کا تبصرہ زیادہ نہیں ہے اور سورۃ آل عمران میں یہودیوں کا تذکرہ زیادہ نہیں ہے۔ جتنے احکام ہیں وہ سورۃ بقرہ میں دیے گئے ہیں اور اخلاقی ہدایات سورۃ آل عمران میں دی گئی ہیں، جن مسائل کی وجہ سے یہودی گمراہیوں کا شکار ہوئے ان کی یاددہانی سورۃ آل عمران میں ہے" (۳۹)

آگے چل کر مزید وضاحت سے کہتے ہیں:

"چونکہ تاریخی اعتبار سے یہودی پہلے ہیں، اس لیے یہودیوں پر تبصرہ پہلے ہے اور عیسائی تاریخی اعتبار سے بعد میں ہیں، اس لیے ان کا تذکرہ بعد میں ہے (۳۹الف)

یہود سے قرآنی مکالمات

یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا نبی مانتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی صورت میں تورات نازل ہوئی۔ وہ ایک مکمل شریعت تھی۔ اس موسوی شریعت سے تعلق رکھنے والے یہودی کہلائے۔ یہ یہودی اصل میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے "یہوداہ" کی نسل سے تھے۔ اس لیے ان کا مذہب یہودی مشہور ہوا۔ واضح رہے کہ اصل دین جو موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء علیہم السلام لائے تھے وہ تو اسلام ہی تھا۔ ان انبیاء علیہ السلام میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا۔ اور نہ ان کے زمانہ میں یہودیت پیدا ہوئی تھی۔ یہ یہودی مذہب اسی کام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے (۴۰)۔

قرآن مجید نے یہود کے باطل عقائد کی تردید کی ہے۔ ان کی غلط باتوں سے ان کے پیغمبر بھی محفوظ نہ رہ سکے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت شرم و حیاء والے تھے۔ یہود کہا کرتے تھے کہ ان کا یہ شرف و حیاء کا پردہ کسی جسمانی عیب اور بیماری کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب میں

اسی واقعہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا(41)

(اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو (گستاخانہ کلمات کے ذریعے) اذیت پہنچائی، پس اللہ تعالیٰ نے انہیں ان باتوں سے بے عیب ثابت کر دیا جو وہ کہتے تھے۔ اور وہ (موسیٰ علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و منزلت والے تھے)۔

یہود اگرچہ تورایت کو مانتے تھے لیکن اس کے باوجود ان میں کئی طرح کی گمرائیاں پیدا ہو چکی تھیں مثلاً:

۱۔ احکام تورات میں لفظی یا معنوی تحریف کرنا۔

۲۔ آیات تورات کو چھپانا۔

۳۔ افترا، یعنی اپنی طرف سے بات گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر لینا۔

۴۔ احکام تورات کے نفاذ و اتباع میں سستی و لاپرواہی برتنا۔

۵۔ اپنے مذہب کے ساتھ تعصب میں شدت اختیار کرنا۔

۶۔ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو بعید سمجھنا۔

۷۔ نبی اکرم ﷺ کی شان میں بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخی و طعنہ زنی کرنا۔

۸۔ بخل و حرص اور دیگر اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہونا (۴۲)۔

قرآن مجید میں یہود کی گمرائیاں

یہ ساری گمرائیاں جو اوپر بیان ہوئی ہیں، قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ ذیل میں انہیں بیان کیا جاتا ہے:

پہلی گمراہی: احکام تورات میں تحریف

یہود کی جانب سے احکام تورات میں تحریف کرنے کا ذکر متعدد آیات میں ہے، مثلاً:

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ(43)

(پھر ان کی اپنی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی (یعنی وہ ہماری رحمت سے محروم ہو گئے)، اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا (یعنی وہ ہدایت اور اثر پذیر سے محروم ہو گئے چنانچہ) وہ لوگ (کتاب الٰہی کے) کلمات کو ان کے (صحیح) مقامات سے بدل دیتے ہیں اور اس (رہنمائی) کا ایک (بڑا) حصہ بھول گئے ہیں جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی)۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدۃ ہی میں فرمایا:

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ(44)

((یہ وہ لوگ ہیں) جو (اللہ تعالیٰ کے) کلمات کو ان کے مواقع (مقرر ہونے) کے بعد (بھی) بدل دیتے ہیں)۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

أَفَتَطْمَعُونَ أَن يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ(45)

((اے مسلمانوں!) کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ (یہودی) تم پر یقین کر لیں گے جبکہ ان میں سے ایک گروہ کے لوگ ایسے (بھی) تھے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام (تورات) سننے پھر اسے سمجھنے کے بعد (خود) بدل دیتے حالانکہ وہ خوب جانتے تھے (کہ حقیقت کیا ہے اور وہ کیا کر رہے ہیں))۔

مولانا خورشید انور قاسمی فیض آبادی نے الفوز الکبیر کی شرح میں حافظ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ: ''نقض عہد کے سبب سے یہود میں دو باتیں آئیں: ملعونیت اور قسوت قلب، اور ان دونوں کے نتیجے میں تحریف کلام اللہ اور عدم انتفاع بالذکر کی برائیوں سے دوچار ہوئے۔ یعنی عہد شکنی کی وجہ سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کی لعنت نے عقل و دماغ کو مسخ کر دیا تو انتہائی بے باکی و

بدعقلی سے کتب سماویہ کی تحریف پر آمادہ ہوگئے۔ دوسری طرف قلوب سخت ہو گئے تو قبول حق اور نصیحتوں سے متاثر ہونے کا مادہ نہ رہا۔ اس طرح عملی و عقلی دونوں قسم کی قوتیں ضائع کر بیٹھے" (۴۶)۔

تحریف تورات کے بارے میں دو آراء

توراۃ میں تحریف کے بارے میں دو طرح کے قول ہیں:

۱۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہود تورات میں لفظی اور معنوی دونوں طرح کی تحریف کرتے تھے۔

۲۔ جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ تورات کے ترجمہ وغیرہ میں لفظی تحریف کیا کرتے تھے۔ وہ تورات کے متن (Text) میں تحریف نہیں کرتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تحریف تورات کے اس دوسرے گروہ کے خیال کو درست اور راجح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی قول ہے کہ یہود متن تورات میں تحریف نہیں کیا کرتے تھے بلکہ ترجمہ میں کرتے تھے (۴۷)۔

یہود تورات میں مختلف طریقوں سے تحریف کیا کرتے تھے جیسے وہ عام مطالب کو خاص کر لیا کرتے تھے۔ یہودیوں کا گمان ہے کہ یہودی اور عبری دونوں ضرور جنت میں جائیں اور انبیاء علیہم السلام کی شفاعت صرف انہیں نصیب ہوگی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالُواْ لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلاَّ أَيَّاماً مَّعْدُودَةً (48)

(اور انہوں نے کہا کہ ہرگز ہمیں نہیں چھوے کی آگ مگر چند روز)۔

قرآن مجید نے پوری قوت کے ساتھ اس غلط فہمی کی تردید کی ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَقَالُواْ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَن كَانَ هُوداً أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُواْ بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ 0 بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (49)

(اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بھی بہشت میں نہیں جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے باطل خیالات ہیں۔ اے

پیغمبران سے کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ ہاں کیوں نہیں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے یعنی ایمان لے آئے اور وہ نیکوکار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو قیامت کے دن نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے)۔

قرآن مجید کی توضیح

قرآن پاک چونکہ اگلی کتابوں کا محافظ اور ان کے مشکل مقامات کو واضح کرنے والا ہے۔ اس لیے اس نے بدعملی میں مبتلا ہونے والوں کے اس شبہ سے پردہ اُٹھا دیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

بَلٰی مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً وَّاَحَاطَتۡ بِہٖ خَطِیۡٓئَتُہٗ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ

(بے شک جس نے بُرا عمل کیا اور اُس کے گناہ نے اُسے گھیر لیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

دوسری گمراہی: کتمان آیات

یہودیوں میں پائی جانے والی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی ''کتمان آیات'' ہے۔ یہاں اس سے مراد ہے تورات کی آیات کو چھپانا۔ یہودیوں کی یہ عادت تھی کہ وہ تورات کی ان آیات کو چھپا دیا کرتے تھے جو ان کے مقاصد کے حصول میں رکاوٹ بنتی تھیں۔ ایسا کام وہ اس وقت کیا کرتے تھے جب انہیں اپنے کسی معزز آدمی کی عزت محفوظ رکھنی ہوتی، یا کوئی عہدہ حاصل کرنا مقصد ہوتا (۵۰)۔ ان کی کتمان آیات کے اس طرز عمل کی مثالوں میں سے یہاں صرف دو کو بیان کیا جاتا ہے:

پہلی مثال: حکم تورات کو چھپانا

تورات میں زانی کو سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا تھا مگر یہودیوں نے اپنے علماء کے باہمی مشورے اور اتفاق رائے سے اس سزا کو بدل ڈالا تھا اور سنگساری کی جگہ درے مارنے اور منہ کالا کرنے کی سزا تجویز کر دی تھی۔ یہودیوں نے تورات کی اس آیت کو چھپا دیا جس میں زانی کے لیے سنگساری کا حکم تھا۔ اور گھڑے ہوئے حکم کو اس آیت کی جگہ رکھ دیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَکَیۡفَ یُحَکِّمُوۡنَکَ وَعِنۡدَہُمُ التَّوۡرٰىۃُ فِیۡہَا حُکۡمُ

اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِن بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَا أُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ (51)

(اور یہ لوگ آپ کو کیونکر حاکم مان سکتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات (موجود) ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم (مذکور) ہے۔ پھر یہ اس کے بعد (بھی حق سے) روگردانی کرتے ہیں، اور وہ لوگ (بالکل) ایمان لانے والے نہیں ہیں)۔

دوسری مثال: کتمان بشارت و پیشن گوئی اور اس کی فاسد تاویل کرنا

یہودیوں کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ وہ تورات میں وارد ہونے والی بشارتوں اور پیشن گوئیوں کو چھپا دیتے تھے۔ تورات میں کچھ آیات کی وہ اپنی طرف سے فاسد تاویل کرتے تھے، مثلاً:

تورات میں کچھ آیات ایسی ہیں جن میں حضرت ہاجرہ علیہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں نبوت و رسالت کی پیشن گوئی اور بشارت موجود ہے۔ ان آیات میں ایک ایسی ملت کی خبر دی گئی ہے، جس کا ظہور سرزمین حجاز میں ہوگا اور اسی جگہ اسے اقتدار بھی ملے گا۔ اس ملت کی لبیک کی آواز سے عرفات کی پہاڑیاں گونج اٹھیں گی۔ ہر طرف سے لوگ حج اور زیارت کے لیے یہاں آتے رہیں گے۔ یہ باتیں تورات میں اب تک موجود ہیں۔

یہودیوں نے ان آیات کی فاسد تاویل اس طرح کی کہ ان میں تو صرف ایک ملت کے آنے کی اطلاع (خبر) ہے۔ اس کی پیروی اور اطاعت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے:

"مَلْحَمَةٌ كُتِبَتْ عَلَيْنَا"۔

(جنگوں کا عظیم سلسلہ ہم پر مسلط ہو کر رہے گا)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جو ہم پر غالب آرہے ہیں تو ہم پر کفار (غیر یہود) کا غلبہ ہونا تورات میں لکھا ہوا ہے۔

جب یہودیوں نے دیکھا کہ ان کی اس کمزور تاویل کو نہ تو کوئی سنتا ہے اور نہ ہی کوئی اسے صحیح مانتا ہے۔ اس لیے انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو وصیت و ہدایت کرنا شروع کر دی کہ اس پیشن

گوئی اور بشارت کو چھپا لیا جائے اور ہر ایک کے سامنے اس چھپانے کا اظہار نہ کیا جائے۔ قرآن مجید نے یہودیوں کے اس راز کو فاش کر دیا، ارشاد ربانی ہے:

قَالُواْ أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ(52)

(وہ کہتے ہیں کیا تم ان (مسلمانوں) سے (نبی آخر الزمان ﷺ کی رسالت اور شان کے بارے میں) وہ باتیں بیان کر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر (تورات کے ذریعے) ظاہر کی ہیں تا کہ اس سے وہ تمہارے رب کے حضور تم ہی پر حجت قائم کریں، کیا تم (اتنی) عقل (بھی) نہیں رکھتے)۔

افسوس! یہودی کتنے جاہل تھے! اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل (علیہما سلام) پر عظیم احسان فرمایا، اور ان کی ملت کو اتنا بڑا اشرف بخشا، تو کیا اس سے ان کے دین کو اختیار کرنے کی تحریک و ترغیب سمجھ میں نہیں آتی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف جہالت نہیں تھی بلکہ انتہائی درجے کی بیباکی اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایک عظیم بہتان تھا (۵۳)۔ قرآن مجید میں ہے:

سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ(54)

(اے اللہ تو تمام نقائص سے پاک ہے یہ بات بہتان عظیم ہے)۔

تیسری گمراہی: افتراء

یہودیوں کی ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے۔ یہی ان کا افتراء تھا۔ یہود کی اس خصلت کو قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقاً يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ(55)

(اور بے شک ان میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی

زبانوں کو مروڑ لیتے ہیں تا کہ تم ان کی الٹ پھیر کو بھی کتاب (کا حصہ) سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے، اور کہتے ہیں: یہ (سب) اللہ کی طرف سے ہے اور وہ (ہرگز) اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ اور وہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اور (یہ) انہیں خود بھی معلوم ہے)۔

چوتھی گمراہی: احکام تورات پر عمل کرنے میں تساہل کرنا

دیگر گمراہیوں کے ساتھ ساتھ یہودیوں کی ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ تورات کے احکام پر عمل کرنے میں تساہل، سستی اور لاپرواہی کرتے تھے۔ احکام تورات کے نفاذ و اتباع میں ان کی اس لاپرواہی کا تذکرہ قرآن مجید کی درج ذیل آیات میں ہے:

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم (56)

(اور اگر وہ لوگ تورات اور انجیل اور جو کچھ (مزید) ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا تھا (نافذ اور) قائم کر دیتے تو (انہیں مالی و سائل کی اس قدر وسعت عطا ہو جاتی کہ) وہ اپنے اوپر سے (بھی) اور اپنے پاؤں کے نیچے سے (بھی) کھاتے (مگر رزق ختم نہ ہوتا)۔

یعنی ارضی و سماوی برکات سے محرومی اور ذلت و بدحالی سے دوچار ہونے کا سبب توریت و انجیل اور قرآن مجید کے احکام سے انحراف ہے (۵۷)۔

۲۔ ارشاد الٰہی ہے:

يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَـٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا (58)

(اور کہتے ہیں اگر تمہیں یہ (حکم جو ان کی پسند کا ہو) دیا جائے تو اسے اختیار کر لو اور اگر تمہیں یہ (حکم) نہ دیا جائے تو (اس سے) احتراز کرو)۔

توریت کے مطابق محض زانی و زانیہ کی سزا رجم ہے جیسا کہ ابن صوریا نے نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اس کا اقرار کیا تھا۔ پھر بھی اس کو قبول کرنے سے احتراز کرنا کھلی ہوئی لاپرواہی نہیں تو کیا ہے؟(۵۹)۔

پانچویں گمراہی: اپنے مذہب کے ساتھ تعصب میں شدت اختیار کرنا

یہودیوں میں ایک گمراہی اور خرابی یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مذہب کے ساتھ تعصب میں شدت اختیار کرتے تھے۔ ان کی اسی گمراہی کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

1.وَقَالُواْ لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَن كَانَ هُوداً أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُواْ بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ(60)

(اور (اہل کتاب) کہتے ہیں کہ جنت میں ہرگز کوئی بھی داخل نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ وہ یہودی ہو یا نصاریٰ، یہ ان کی باطل امیدیں ہیں۔ آپ فرمادیں کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو اپنی (اس خواہش پر) سند لاؤ)۔

2.وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَى عَلَىَ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ(61)

(اور یہود کہتے ہیں کہ نصرانیوں کی بنیاد کسی چیز (یعنی صحیح عقیدے) پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودیوں کی بنیاد کسی چیز پر نہیں)۔

3.وَلَن تَرْضَى عَنكَ الْيَهُودُ وَلاَ النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ(62)

(ہرگز خوش نہیں ہوں گے جب تک آپ ان کے مذہب کی پیروی اختیار نہ کرلیں)۔

4.قَالُواْ أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ(63)

(کہتے ہیں کیا تم ان (مسلمانوں) سے (نبی آخر الزمان ﷺ کی رسالت اور شان کے بارے میں) وہ باتیں بیان کر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر (تورات کے ذریعے) ظاہر کی ہیں تا کہ اس سے وہ تمہارے رب کے حضور تم ہی پر حجت قائم کریں)۔

منافقین یہود، مسلمانوں کے سامنے توریت اور مذہب یہود کی وہ باتیں جن سے آپ ﷺ کا رسول ہونا اور دین اسلام کا برحق ہونا ثابت ہوتا تھا بیان کر دیا کرتے تھے۔ تو غیر منافق یہودی اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے تھے أَتُحَدِّثُونَهُم کہ اپنی کتاب کی سند ان کے ہاتھ میں کیوں دیتے ہو۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ مسلمان تمہارے اسی بیان کو بنیاد بنا کر رب العالمین کی بارگاہ میں تمہارے خلاف الزام قائم کریں گے (۶۴)۔

چھٹی گمراہی: نبی اکرم ﷺ کی رسالت و نبوت کو بعید سمجھنا

یہود کی ایک گمراہی یہ تھی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی رسالت کو بعید سمجھتے تھے۔ اس مسئلہ میں شارح الفوز الکبیر مولانا خورشید انور قاسمی لکھتے ہیں:

> ''رہا مسئلہ استبعاد نبوت محمد ﷺ کا تو حتی الوسع کافی غور و فکر کے بعد بندہ جہول اس نتیجہ پر پہنچا کہ علماء یہود تو نبی کریم ﷺ کی رسالت کے قائل تھے۔ توریت نے ان کے سامنے آپ ﷺ کے اوصاف و نشانات اتنی وضاحت کے ساتھ پیش کر دیئے تھے کہ شک کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی۔ ارشاد ربانی ہے:
>
> الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (۶۵)۔

یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرتے تھے اور اپنی خاص مجلسوں میں اس کی پیروی کی تلقین کرتے تھے اگرچہ خود ان کو ایمان کی توفیق نہیں ہوتی تھی۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ (۶۶)

میں اللہ تعالیٰ نے انکے اسی رویہ پر ملامت کی ہے۔ ہاں عام یہود جنہیں منصوبہ بند طریقہ پر اصل ملت و شریعت سے علماء یہود نے ناواقف کر رکھا تھا وہ مختلف وجوہ سے نبی کریم ﷺ کی رسالت کا انکار کرتے تھے جسے قرآن کریم نے صراحۃً کہیں نہیں ذکر کیا ہے۔ الحاصل استبعاد رسالت کی بیماری جاہل عوام میں تھی اور بے دلیل تھی۔ اس لیے قرآن نے اسے قابل اعتناء والتفات نہیں سمجھا۔ واللہ اعلم'' (٦٧)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے یہود کی طرف سے نبی اکرم ﷺ کی پیغمبری کو بعید سمجھنے کے چار اسباب بیان کیے:

۱۔ پہلا سبب یہ ہے کہ یہودیوں کی تعداد کے اعتبار سے تمام انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ کسی کی بیویاں زیادہ تھیں اور کسی کی کم۔ اسی طرح کئی اور معاملات بھی ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام کی حالت میں یک زندگی اور یکسانیت نہیں تھی۔

۲۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں بھی اختلاف پایا جاتا تھا۔ ایک نبی کی شریعت کچھ اور کہتی تھی اور دوسرے نبی کی شریعت کچھ اور۔

۳۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے انتخاب کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ بھی مختلف رہا ہے، جیسے نبی اکرم ﷺ کا نبی اسماعیل سے ہونا اور یہودیوں کے تمام انبیاء علیہم السلام کا نبی اسرائیل سے ہونا۔

۴۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل میں کیوں مبعوث کیا؟

عادات، طرز عمل اور احکام شریعت میں اختلاف کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ کا بنو اسماعیل میں پیدا ہونے کی وجہ سے یہودی آپ ﷺ کی طرف سے بدگمان اور آپ کی رسالت کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ان میں نبی اکرم ﷺ کی رسالت کے بارے میں سینکڑوں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے'' (٦٨)۔

یہود کے اعتراضات کا جواب

یہود نے نبی اکرم ﷺ کی رسالت پر جس قدر اعتراضات کیے وہ کسی حقیقی علمی دلیل پر مبنی نہ تھے، کیونکہ رسول کا فریضہ صرف لوگوں کے نفسوں کی اصلاح کرنا، ان کی عبادتوں اور عادتوں کو درست کرنا ہوتا ہے۔ نیکی اور بدی کے اصول ایجاد کرنا اللہ کا کام ہے۔ البتہ رسول ان نیکی اور بدی کے اصول و

قواعد کی تشریح کرنے پر مامور ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خاندانی زندگی اور شہری نظم و نسق کے لیے ہر قوم کی عادات و رسومات الگ الگ ہوتی ہیں۔ جب کوئی نبی کسی قوم کے اندر مبعوث ہوتا ہے تو وہ اس قوم کے رسم و رواج کو مٹا کر ان کی جگہ بالکل نئے رسم و رواج رائج نہیں کرتا بلکہ وہ ان کا جائزہ لیتا ہے۔ جن رسومات اور عادات کو مناسب اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق سمجھتا ہے انہیں باقی رکھتا ہے، اور باقی رسوم و عادات میں تبدیلی کر کے انہیں درست کر دیتا ہے۔ ﷺ مختلف قوموں میں اُن کے اپنے حالات کی بنا پر رسم و رواج کے جو اختلافات ہوتے ہیں وہ کسی بھی نبی و رسول کی نبوت و رسالت کے بعد بھی باقی رہتے ہیں۔ لہٰذا ان اختلافات کا کسی نبی و رسول کی نبوت و رسالت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ﷺ

انبیاء و رسل علیہم السلام کی شریعتوں کا جو حصہ تذکیر بالآء اللہ (اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلا کر نصیحت کرنا) اور تذکیر بایام اللہ (بڑے بڑے تاریخی واقعات پیش کر کے عبرت و نصیحت کا سبق دینا) کے بارے میں تھا تو اس (حصہ) میں بھی اس وقت موجود قوم کے احوال کا تذکرہ کیا گیا جن (احوال) سے عام لوگ واقف اور مانوس تھے۔

اس اصول کے پیش نظر انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں بھی باہم مختلف ہو گئیں کیونکہ ان کے احکام میں ان کی اقوام کی اقدار کا لحاظ رکھا گیا اور وہی چیزیں منتخب کی گئیں جو ان کے درمیان عام ہوتی تھیں۔ چونکہ وہ مختلف شریعتوں کے درمیان ایک طویل زمانہ گزرنے کی وجہ سے ان کی تاریخ اور ان کی معلوم اشیاء میں بڑا اختلاف رونما ہو جاتا ہے اور ان چیزوں کا اختلاف شریعتوں کے اختلاف کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ اختلاف صرف تفصیلات سے تعلق رکھتا ہے، اصل مسئلے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

شریعتوں کے اختلاف پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ اختلاف بالکل اسی انداز کا ہے جیسا کہ دو مختلف مریضوں کے علاج کے سلسلہ میں ایک کامل طبیب کے طریق علاج میں ہوتا ہے۔ وہ ایک مریض کے لیے تو سرد غذائیں تجویز کرتا ہے اور دوسرے مریض کو گرم دواؤں اور گرم غذاؤں کے استعمال کی ہدایت کرتا ہے۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں طبیب کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے یعنی مریض کی صحت اور مرض کا خاتمہ۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کامل طبیب مختلف ممالک میں وہاں کے لوگوں کے مزاج اور عادات کے مطابق ان کے لیے دوائیں اور غذائیں تجویز کرے۔ مزید یہ کہ آب و ہوا اور موسم کی تبدیلی کی بنا پر وہ اپنے نسخے میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح حقیقی طبیب

نے جب چاہا کہ وہ لوگوں کے روحانی امراض کا علاج کرے، ان کی شخصیتوں کی اصلاح کرے ان خوبیوں کو تقویت پہنچائے، تو مختلف اقوام کے مراسم و عادات کی بنا پر اس کا طریقہ علاج مختلف رہا(۶۹)۔

ساتویں گمراہی: نبی اکرم ﷺ کی شان میں بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخی و طعنہ زنی کرنا

یہود میں ایک خطرناک گمراہی یہ پیدا ہوگئی تھی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں بھی اور اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخی وطعنہ زنی کرتے تھے، اس گستاخی اور طعنہ کا تذکرہ درج ذیل آیتوں میں ہے:

1۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لاَ تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا(70)

(اے ایمان والو! (نبی اکرم ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے) رَاعِنَا مت کہا کرو بلکہ (ادب سے) اُنْظُرْنَا (ہماری طرف نظر کرم فرمایئے) کہا کرو)۔

یہود نبی اکرم ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے رَاعِنَا کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کے ظاہری معانی ہیں ہماری رعایت فرمائیں۔ لیکن درحقیقت اس لفظ کے استعمال میں ان کی بدنیتی اور شرارت نفس کا زیادہ دخل ہوتا تھا کیونکہ وہ راع کے عین کے زیر کو کھینچ کر راعینا کہا کرتے تھے جس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا۔ یا راعنا بمعنی احمق کی نیت کرتے تھے (العیاذ باللہ)۔ کیونکہ عبرانی زبان میں اس لفظ کے یہی معنی ہیں۔ کماذکر شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ(۷۱)۔

۲۔ ارشاد الٰہی ہے

مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيّاً بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْناً فِي الدِّيْنِ(72)

(اور کچھ یہودی (تورات کے) کلمات کو اپنے (اصل) مقامات سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور انہیں مانا اور (یہ بھی کہتے ہیں) سنیئے! (معاذ اللہ) آپ سنوائے نہ جائیں اور اپنی زبانیں مروڑ کر دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے "رَاعِنَا" کہتے ہیں)۔

یعنی بعض یہودی ایسے ہیں جو توریت میں تحریف کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی زبانی کوئی حکم سنتے ہیں تو کہتے ہیں سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ، یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم ورسول خدا ﷺ کو سنا کر تو سمعنا کہتے کہ ہم نے سن لیا قبول کر لیا۔ اور آہستہ آہستہ کہتے ہیں عصینا ہم نے نافرمانی کی، اور اسی کے ساتھ غیر مسمع بھی کہتے ہیں جس کا ظاہری معنی ہے آپ کو کوئی بری یا خلاف مرضی بات نہ سننی پڑے لیکن یہود اس کلمہ کو بددعا کے طور پر بولتے تھے کہ تم کچھ نہ سن سکو، بہرے ہو جاؤ۔ ان کلمات کو یہود غلط معنی میں اس انداز سے استعمال کرتے کہ بھولے بھالے مسلمان ان کو ظاہری اور اچھے معانی پر محمول کر لیتے تو یہود دین محمدی پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے کہ اگر محمد سچے رسول ہوتے اور ان کا دین سچا ہوتا تو آپ ہمارے پر فریب زبان اور ہماری نیتوں کو سمجھ لیتے (۷۳)۔

۳۔ یہود اللہ تعالیٰ کے متعلق کہتے ہیں:

لَّقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ(74)

(یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول بھی سن لیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم تونگر ہیں)۔

جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا:

مَّن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً(75)

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے، تو یہود نے کہا اے محمد ﷺ! تیرا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (۷۶)۔

یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ(77)

(اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں)۔

یہ وہی بات ہے جو سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۸۱ میں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور اسے اللہ کو قرض حسن دینے سے تعبیر کیا تو ان یہودیوں نے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ تو فقیر ہے'' لوگوں سے قرض مانگ رہا ہے اور وہ تعبیر کے اس حسن کو نہ سمجھ سکے جو اس میں پنہاں تھا۔ یعنی سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کر دینا، کوئی قرض نہیں ہے۔ لیکن یہ اس کی کمال مہربانی ہے کہ وہ اس پر بھی خوب اجر عطا فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک ایک دانے کو سات سات سو دانے تک بڑھا دیتا ہے۔ اور اسے قرض حسن سے اسی لیے تعبیر فرمایا کہ جتنا تم خرچ کرو گے، اللہ تعالیٰ اس سے کئی گنا تمہیں واپس لوٹائے گا۔ مَغْلُوْلَةٌ کے معنی بَخِيْلَةٌ (بخل والے) کیے گئے ہیں۔ یعنی یہود کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اللہ کے ہاتھ واقعتاً بندھے ہوئے ہیں، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس نے اپنے ہاتھ خرچ کرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ (ابن کثیر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہاتھ تو انہی کے بندھے ہوئے ہیں یعنی بخیلی انہی کا شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوتے ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے۔ خرچ کرتا ہے۔ وہ وَاسِعٌ الْفَضْلِ اور جَزِيْلٌ الْعَطَاءِ ہے، تمام خزانے اسی کے پاس ہیں۔ نیز اس نے اپنی مخلوقات کے لیے تمام حاجات و ضروریات کا انتظام کیا ہوا ہے، ہمیں رات یا دن کو، سفر میں اور حضر میں اور دیگر تمام احوال میں جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے یا پڑ سکتی ہے، سب وہی مہیا کرتا ہے۔

وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّواْ نِعْمَتَ اللّهِ لاَ تُحْصُوهَا إِنَّ الإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ(78)

تم نے جو کچھ اس سے مانگا، وہ اس نے تمہیں دیا، اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ تم گن نہیں سکتے، انسان ہی نادان اور نہایت ناشکرا ہے''۔

حدیث میں بھی ہے نبی ﷺ نے فرمایا ''اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن خرچ کرتا ہے لیکن کوئی کمی نہیں آتی، ذرا دیکھو تو، جب سے آسمان و زمین اس نے پیدا کیے ہیں وہ خرچ کر رہا ہے لیکن اس کے ہاتھ کے خزانے میں کمی نہیں (۷۹)۔

آٹھویں گمراہی: بخل وحرص اور دیگر اخلاق رزیلہ میں مبتلاء ہونا

دیگر گمراہیوں کے ساتھ ساتھ یہود میں بخل وحرص اور دیگر اخلاق مذمومہ پیدا ہو گئے تھے۔

قرآن مجید کی مختلف آیات میں اس گمراہی کا ذکر موجود ہے، مثلاً:

۱۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذاً لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيراً(80)

(کیا ان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے؟ اگر ایسا ہو تو پھر یہ کسی کو ایک کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی نہ دیں گے)۔

یہ استفہام انکاری ہے یعنی بادشاہی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اگر اس میں ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ یہود اتنے بخیل ہیں کہ لوگوں کو بالخصوص حضرت محمد ﷺ کو اتنا بھی نہ دیں جس سے کھجور کی گٹھلی کا شگاف ہی پر ہو جا۔ نَقِيرٌ اس نقطے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے(۸۱)۔

۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ(82)

(جو لوگ خود بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے اسے چھپا لیتے ہیں)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْهُم مَّنْ إِن تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَّا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِماً(83)

(اور ان ہی میں سے ایسے بھی ہیں کہ اگر اس کے پاس ایک دینار امانت رکھ دیں تو آپ کو وہ بھی نہیں لوٹائے گا سوائے اس کے کہ آپ اس کے سر پر کھڑے رہیں)۔

اس کے علاوہ قرآن مجید نے ان کی عہد شکنی، اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار، انبیاء علیہم السلام کے ناحق قتل، سود خوری، حرام خوری وغیرہ کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

عصر حاضر میں یہودی علماء کا نمونہ

یہودیوں کی جن گمراہیوں اور خرابیوں کے بارے میں قرآن مجید نے بتایا ہے بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وہ گمراہیاں اور خرابیاں عصر حاضر کے مسلم علماء میں بھی پائی جاتی ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ یہودی علماء کا نمونہ اس زمانہ میں دیکھنا چاہتے ہیں تو اپنے زمانہ کے اُن علماء سوء (یعنی غلط کار علماء) کو دیکھ لیں جو صرف دنیا کے طلب گار ہیں۔ یہ وہ مسلم علماء ہیں جو اپنے بزرگوں کی (اندھی) تقلید کرتے ہیں اور قرآن وسنت کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے۔ انہوں نے قدیم علماء کی بے بنیاد باتوں کو اہمیت دے رکھی ہے اور ان پر عمل کرتے ہیں مگر نبی اکرم ﷺ کی صحیح اور مستند احادیث کا اہتمام نہیں کرتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کے یہ علماء سوء موضوع (یعنی گھڑی ہوئی) حدیثوں اور فاسد تاویلوں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس طرح کے مسلم علماء کی فکر کے مضر اثرات سے اپنے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ کی امت کو محفوظ رکھے (۸۴)۔

نصاریٰ سے قرآنی مکالمات

قرآن مجید نے جس طرح یہود سے مکالمہ ومخاصمہ کرکے ان کے باطل عقائد کی تردید کی ہے اسی طرح نصاریٰ کے ساتھ مکالمہ ومخاصمہ کرکے ان کے باطل عقائد کو رد کیا ہے۔

نصاریٰ وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا نبی مانتے ہیں۔ اسی وجہ سے انہیں عیسائی بھی کہتے ہیں۔ جب نبی اکرم ﷺ کو نبوت ملی اور قرآن مجید کا نزول شروع ہوگیا تو اس وقت نصرانیت (عیسائیت) دنیا کا سب سے بڑا الہامی مذہب تھا۔ اُس وقت رومی سلطنت اُس مذہب کی پیروکار تھی اور عرب ممالک میں سے یمن اور عرب کے پڑوس میں حبشہ کی حکومت عیسائی تھی۔ قرآن مجید نے جس طرح دیگر فرقوں کے عقائد بیان کیے اسی طرح نصرانیوں کے عقائد پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کے تصور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اور دین میں غُلُو کرکے جس طرح کا خود ساختہ مذہب اختیار کر رکھا تھا، قرآن مجید نے اس غُلُو کے نتیجہ میں بننے والے نئے عیسائی مذہب پر تنقید کرتے ہوئے عیسائیوں کے سامنے سچائی اور ہدایت کا صحیح تصور پیش کیا (۸۵)۔

نصاریٰ کی گمرائیاں اور ان کے جوابات

پہلی گمراہی: عقیدہ تثلیث

عیسائیوں میں جو گمرائیاں، بداعمالیاں اور برے عقائد پیدا ہو گے تھے ان میں سے پہلی اور بد سے بدتر ''عقیدہ تثلیث'' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی خدائی کے تین اجزاء ہیں۔ عیسائی ان تینوں اجزاء کو ''اقانیم ثلاثہ'' کہتے ہیں۔ یہ تینوں اجزاء ایک لحاظ سے آپس میں ایک ہیں اور دوسرے لحاظ سے الگ الگ ہیں۔ پھر یہ تینوں اجزاء مل کر ایک خدا بنتے ہیں۔ اسے عیسائی لوگ ''توحید فی التثلیث'' کہتے ہیں۔

اُقنوم ثلاثہ

ان اقانیم ثلاثہ میں سے پہلا اُقنوم ''اَب'' یعنی باپ ہے۔

دوسرا اقنوم ''ابن'' یعنی بیٹا ہے۔

اور تیسرا اقنوم ''روح القدس'' ہے۔

بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ اُقنوم ثلاثہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا لباس اختیار کر لیا تھا یعنی جس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام انسان کی صورت میں ظاہر ہوا کرتے تھے اُسی طرح یہ تینوں ذاتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں ظاہر ہوئی ہیں۔ عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا بھی ہیں، خدا کے بیٹے بھی ہیں اور بشر بھی ہیں۔ اس لیے ان میں بشری اوصاف بھی اور خداوندی اوصاف بھی موجود ہیں۔ عیسائی اپنے اس عقیدہ کے ثبوت کے لیے انجیل کی اُن آیات کا حوالہ دیتے ہیں جن میں ''ابن'' یعنی بیٹے کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض اُن افعال کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جو صرف خدا کے لیے مخصوص ہیں (۸۶)۔

عقیدۂ تثلیث کا بطلان

علمائے اسلام نے عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کو باطل قرار دیا ہے اور اِس کے باطل ہونے کی مختلف دلیلیں پیش کی ہیں:

۱۔ یہ تینوں (یعنی، باپ، بیٹا اور روح القدس) اپنے وجود اور تشخص میں ممتاز ہیں یا نہیں؟ اگر

ممیز ہیں تو تین نہ ہوئے بلکہ ایک ہی ہوا، پھر تین کہنا غلط ہے۔

۲۔ یہ تینوں مل کر مستقل خدا ہوتے ہیں یا جداگانہ (الگ الگ) بھی ہر ایک خدا ہے؟

☆- پہلی صورت میں ہر ایک کو خدا کہنا غلط ہے۔ نہ خود خدا خدا ہے، نہ روح القدس خدا ہے، نہ حضرت عیسی علیہ السلام خدا ہیں۔

☆- دوسری صورت میں تینوں مستقل خدا ہوئے نہ کہ ایک، پس توحید نہ رہی۔

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے تو باپ اور بیٹے میں ضرور ذاتی تقدم اور زمانی تقدم ہوتا ہے۔ اب اس مرتبہ میں کہ جب خدا عیسیٰ علیہ السلام کا بیٹا نہ تھا تو خدا خدا تھا یا نہیں تھا؟

☆- اگر تھا تو پھر یہ کہنا کہ تینوں مل کر ایک خدا ہوا، غلط ہے کیونکہ وہ اس سے پہلے ہی خدا تھا۔

☆- اور اگر وہ خدا نہیں تھا تو عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ جب باپ ہی خدا نہ تھا اور نقص کی حالت میں اُس سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہ کیونکر خدا ہو گئے، خچر سے گھوڑا پیدا نہیں ہو سکتا (۸۷)۔

دوسری گمراہی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا

عیسائیوں کی دوسری گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہے۔ اس گمراہی (یا اشکال یا عقیدہ) کی بنیاد یہ ہے کہ انجیل کی بعض آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ''بیٹے'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

جواب: اس گمراہی یا اشکال کا جواب یہ ہے کہ اول تو موجودہ انجیل میں اتنی تبدیلیاں ہو چکی ہیں کہ اس کی کسی آیت کو کسی عقیدہ کی دلیل قرار ہی نہیں دیا جا سکتا۔ اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں، کہ موجودہ انجیل حرف بحرف حضرت عیسی علیہ السلام کا کلام ہے اور اس میں کسی قسم کی تحریف واقع نہیں ہوئی، تب بھی ''بیٹے'' کا لفظ براہ راست ''اللہ کا بیٹا'' ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ قدیم زمانہ میں بیٹے کا لفظ ''محبوب'' اور ''مقرب'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا۔ لہٰذا یہاں بھی بیٹے سے محبوب اور مقرب ہی مراد ہے، جیسا کہ انجیل ہی میں بعض قرائن اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہیں (۸۸)۔

تیسری گمراہی: عیسیٰ علیہ السلام کا بعض خدائی افعال کو اپنی طرف منسوب کرنا

عیسائیوں کی تیسری گمراہی یہ تھی کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بعض خدائی (الوہی) افعال (جیسے نفع و نقصان پہنچانے) کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی خدائی (الوہیت) میں شریک اور خدا کے بیٹے ہیں۔

جواب: اس گمراہی یا اشکال کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن خدائی (الوہی) افعال کو اپنی ذات سے منسوب کیا ہے، اس کی حقیقت حکایت واقعہ (کسی واقعہ کو بیان کرنے) سے زیادہ نہیں ہے، یعنی یہ انتساب بالکل ویسا ہی ہے، جیسا کہ کسی بادشاہ کا سفیر یا ایلچی بادشاہ کے افعال (کاموں) کو اپنی ذات سے منسوب کر لیتا ہے، مثلاً: بادشاہ کا ایلچی کہتا ہے، کہ ہم نے فلاں ملک کو فتح کر لیا ہے، اور فلاں قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے، حالانکہ حقیقت میں یہ تمام افعال و امور بادشاہ کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، اور ایلچی کی حیثیت ایک ترجمان سے زیادہ نہیں ہوتی ہے (۸۹)۔

جواب اشکال کا ایک اور انداز

عقیدہ نصاریٰ کے اس دوسرے اشکال کا جواب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ایک اور انداز سے بھی دیا ہے، فرماتے ہیں:

"یہ بھی ممکن ہے کہ عالم بالا سے وحی خداوندی براہ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دل پر الہامی طور پر اتری ہو (جیسے نبی اکرم ﷺ پر حدیث قدسی کا القاء و انعکاس ہوتا تھا) اور جبریل علیہ السلام نے انسانی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر کلام خداوندی کو نہ پہنچایا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل پر الہامی طور پر اترنے والی اس وحی کو اُسی طرح بیان کیا ہو جس طرح وہ ان کے دل پر اتری ہو۔ اِس طرح کے انداز بیان سے سننے والوں کو بظاہر محسوس ہوا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام افعال خداوندی کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں حالانکہ وہ کلام الٰہی ہوتا تھا جو ان کی زبان سے ادا ہوتا تھا۔ یہ بات ایک ایسی حقیقت ہے جو بالکل واضح ہے" (۹۰)۔

چوتھی گمراہی: عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھانے کا عقیدہ

نصاریٰ کی چوتھی گمراہی (عقیدہ) یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دیئے جانے پر یقین رکھتے ہیں۔

جواب: اس عقیدہ کا جواب یہ ہے کہ عیسائیوں کو یہاں مغالطہ ہوا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھا لیے گئے تو نصاریٰ نے یہ خیال کر لیا کہ وہ قتل کر دیئے گے۔ یہ غلط بات نسل در نسل نقل ہوتی رہی، آخر کار اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس شبہ کا ازالہ کر دیا اور فرمایا:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

(اور انہوں نے ان کو نہ قتل کیا نہ انہیں سولی پر چڑھایا مگر ہوا یہ کہ) ان کے لئے (کسی کو عیسیٰ علیہ السلام کا) ہم شکل بنا دیا گیا)۔

انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دیئے جانے کے متعلق جو کلام خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام واقعی شہید ہو گے تھے، بلکہ اس سے یہودیوں کی اس جسارت کا اظہار مقصود ہے، کہ انہوں نے تو اپنے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے ہی دی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عیسائیوں کے شر سے محفوظ رکھا۔

اس واقعہ کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا جو قول نقل کیا گیا ہے، اس کی بنیاد بھی اشتباہ اور غلط فہمی پر ہے۔ اصل میں وہ کسی کے زندہ آسمان پر اٹھا لیے جانے کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے، کیونکہ ایسی بات نہ تو انہوں نے کبھی دیکھی تھی، اور نہ سنی تھی، اور نہ وہ اس کا تصور ہی کر سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کو قتل سمجھ لیا (۹۱)۔

پانچویں گمراہی: ''فارقلیط'' سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں نہ کہ نبی اکرم ﷺ

نصاریٰ کی پانچویں گمراہی یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جس ''فارقلیط'' کا وعدہ کیا گیا ہے، اُس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جو قتل ہونے کے بعد حواریوں کے پاس آئے، اور انہیں انجیل پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی کہ میرے بعد نبوت کے دعویدار کئی ہوں گے تو جو شخص میرا نام لے اُسے سچا جاننا اور اس کی باتیں ماننا، اور جو میرے نام پر نہ بلائے اس کی باتیں نہ سننا۔

جواب: عیسائیوں کی اس گمراہی یا عقیدہ کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس فارقلیط کے آنے کی خوشخبری دی اُس کا اطلاق کسی بھی حالت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانی صورت اور ان کی دوبارہ تشریف آوری پر نہیں ہوتا بلکہ صرف نبی اکرم

ﷺ کی ذات پر ہوتا ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ انجیل میں بھی ہے کہ ''فارقلیط موعود (یعنی جس فارقلیط کا وعدہ کیا گیا ہے) وہ ایک زمانے تک تمہارے درمیان رہے گا، تمہیں مختلف علوم سکھائے گا اور لوگوں کے ظاہر و باطن کی اصلاح کرے گا''۔

ان تمام باتوں کا ظہور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ کسی اور سے نہیں ہوا۔ بشارت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ (فارقلیط موعود) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرے گا۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ (فارقلیط مود یعنی نبی اکرم ﷺ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہے گا بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ (فارقلیط) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرے گا (۹۲)۔

قرآن مجید کی روشنی میں عقائد نصاریٰ کی تردید

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے باطل مذہب کی تردید کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

1۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ط اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ج اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ز فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ قف ج وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ط اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ط اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ط سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ م لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (93)

(اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں حد سے زائد نہ بڑھو اور اللہ کی شان میں سچ کے سوا کچھ نہ کہو۔ حقیقت صرف یہ ہے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جسے اس نے مریم کی طرف پہنچا دیا اور اس (کی طرف) سے ایک روح ہے۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور

مت کہو کہ (معبود) تین ہیں، (اس عقیدہ سے) باز آجاؤ، (یہ) تمہارے لیے بہتر ہے۔ بیشک اللہ ہی یکتا معبود ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لیے کوئی اولاد ہو، (سب کچھ) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے، جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ کا کارساز ہونا کافی ہے)۔

غُلُوٌّ کا مطلب ہے کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینا۔ جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا کہ انہیں رسالت و بندگی کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو بھی غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے، معصوم بنا ڈالا اور ان کو حرام و حلال کے اختیار سے نواز دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ(94)

(انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا)۔

یہ رب بنانا حدیث کے مطابق، ان کے حلال کیے کو حلال اور حرام کیے کو حرام سمجھنا تھا۔ دراں حالیکہ یہ اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے لیکن اہل کتاب نے یہ حق بھی اپنے علماء وغیرہ کو دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل کتاب کو دین میں اسی غلو سے منع فرمایا ہے۔ نبی ﷺ نے بھی عیسائیوں کے اس غلو کے پیش نظر اپنے بارے میں اپنی امت کو متنبہ فرمایا۔

"لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ، فَقُولُوا: عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ"(95)

(تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھایا، میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا)۔

لیکن افسوس امت محمد یہ اس کے باوجود بھی اس غلو سے محفوظ نہ رہ سکی جس میں عیسائی مبتلا ہوئے اور امت محمد یہ نے بھی اپنے پیغمبر کو بلکہ نیک بندوں تک کو خدائی صفات سے متصف ٹھہرایا جو دراصل عیسائیوں کا وطیرہ تھا۔ اسی طرح علماء و فقہاء کو بھی دین کا شارح اور مفسر ماننے کے بجائے ان کو

شارع (شریعت سازی کا اختیار رکھنے والے) بنا دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ سچ فرمایا نبی ﷺ نے "لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ" جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے، بالکل اسی طرح تم پچھلی امتوں کی پیروی کرو گے" یعنی ان کے قدم بہ قدم چلو گے۔

كَلِمَةُ اللّٰهِ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ كُنْ سے باپ کے بغیر ان کی تخلیق ہوئی اور یہ لفظ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے حضرت مریم علیہا السلام تک پہنچایا گیا۔ روح اللہ کا مطلب وہ نفخة (پھونک) ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونکا، جسے اللہ تعالیٰ نے باپ کے نطفہ کے قائم مقام کر دیا۔ یوں عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ بھی ہیں جو فرشتے نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا اور اس کی وہ روح ہیں، جسے لے کر جبریل علیہ السلام مریم علیہا السلام کی طرف بھیجے گئے (۹۶)۔

2۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ (97)

(بیشک ایسے لوگ (بھی) کافر ہو گئے ہیں جنہوں نے کہا کہ اللہ تین (معبودوں) میں سے تیسرا ہے، حالانکہ معبود یکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں)۔

عیسائیوں کے کئی فرقے ہیں۔ بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ، بعض اللہ کا شریک اور بعض اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ پھر جو اللہ مانتے ہیں وہ اَقَانِيْمُ ثَلَاثَةٌ (تین خداؤں) کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ثالث ثلاثہ (تین سے ایک) ہونے کے قائل ہیں۔ ان کی تعبیر و تشریح میں اگرچہ خود ان کے مابین اختلاف ہے۔ تاہم صحیح بات یہی ہے کہ اللہ کے ساتھ، انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی الٰہ (معبود) قرار دے دیا ہے، جیسا کہ قرآن نے صراحت کی ہے، اللہ تعالیٰ قیامت والے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھے گا۔

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۸۹)

(کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو، اللہ کے سوا، معبود بنا

لینا؟)۔

اس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ اور مریم، علیہما السلام ان دونوں کو عیسائوں سے الٰہ بنایا، اور اللہ تیسرا الٰہ ہوا، جو ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (تین میں کا تیسرا کہلایا) پہلے عقیدہ کی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے بھی کفر سے تعبیر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ تین خدا کہنے سے باز آجاؤ، اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے (۹۹)۔

3. مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ط كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ط(100)

(مسیح ابن مریم (علیہ السلام) رسول کے سوا (کچھ) نہیں ہیں، (یعنی خدا یا خدا کا بیٹا اور شریک نہیں ہیں)، یقیناً ان سے پہلے (بھی) بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اور ان کی والدہ بڑی صاحب صدق (مومنہ، ولیہ) تھیں، وہ دونوں (مخلوق تھے کیونکہ) کھانا بھی کھایا کرتے تھے)۔

اس آیت مبارکہ میں صِدِّيقَةٌ کے معنی مومنہ اور ولیہ کے ہیں یعنی وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے تھیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نَبِيَّةٌ (پیغمبر) نہیں تھیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے اور انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام سمیت، حضرت سارہ (ام اسحاق علیہ السلام) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو نَبِيَّةٌ قرار دیا ہے۔ استدلال اس بات سے کیا ہے کہ اول الذکر دونوں سے فرشتوں نے آکر گفتگو کی اور حضرت ام موسیٰ کو خود اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ یہ گفتگو اور وحی نبوت کی دلیل ہے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ دلیل ایسی نہیں جو قرآن کی نص صریح کا مقابلہ کر سکے۔ قرآن نے صراحت کی ہے کہ ہم نے جتنے رسول بھی بھیجے، وہ مرد تھے (سورہ یوسف۔۱۰۹)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے قول

كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ

یعنی دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے، میں حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام دونوں کی الوہیت (الٰہ ہونے) کی نفی اور بشریت کی دلیل ہے۔ کیونکہ کھانا پینا، یہ انسانی حوائج و ضروریات میں سے ہے۔ جو الٰہ ہو، وہ تو ان چیزوں سے ماورا بلکہ وراء الوراء ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں عیسائیوں کا نمونہ

بدقسمتی سے مسلمانوں کے اندر عیسائیوں کی خصوصیات بھی پیدا ہوگئی ہیں، شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اگر آپ اس قوم کا صحیح نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو گزشتہ دور کے بزرگوں اور اولیاء اللہ کی اولادوں کو دیکھ لیں کہ انہوں نے اپنے آباء واجداد کو کن کن رتبوں اور عظمتوں کی حامل شخصیات قرار دے رکھا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو ظاہراً تو خدا نہیں کہتے لیکن ان کی جن صفات و کمالات کا دعویٰ کرتے ہیں وہ انہیں خدا سے پست بھی نہیں رہنے دیتیں۔ عنقریب یہ ظالم اپنا انجام دیکھ لیں گے (۱۰۱)۔

ثالثاً: مشرکین سے قرآنی مکالمات

مشرکین وہ لوگ تھے جن کو آپ ﷺ نے سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی۔ یہ مکہ کے قریش تھے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ مشرکین خانہ کعبہ کے متولی تھے۔ یہ اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ اسلام کی طرف کرتے تھے۔ اسی نسبت سے یہ اپنے آپ کو ''حنیف'' کہتے تھے۔ حنیف اسے کہا جاتا ہے جو ''دین ابراہیمی کی پیروی کرے اور اس دین کے شعار (طریقوں) کو اختیار کرے''۔ مشرکین کے کام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دینی شعار کے بالکل برعکس تھے (۱۰۲)۔

دین ابراہیمی کے عقائد اور مشرکین کا رویہ

مشرکین کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات میں موجود ہے۔ وہی زمین اور آسمان کا خالق ہے۔ وہی پوری کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ وہی بعثت انبیاء علیہم اور بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دینے پر قادر ہے۔ مشرکین کہتے تھے فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں اور تعظیم کے لائق ہیں۔ یہ سارے عقائد دین ابراہیمی میں موجود تھے اور مشرکین میں بھی یہ عقائد پائے جاتے تھے۔

لیکن وہ ان صحیح اور واضح عقائد کے بارے میں گمراہی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

مشرکین کی گمرائیاں

اکثر مشرکین میں گمراہی ان مذکورہ بالا عقائد کے صحیح فہم و ادراک نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ اس گمراہی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے خاصے دور ہو چکے

تھے۔

مشرکین کی گمراہی یہ تھی کہ وہ شرک، تشبیہ اور تحریف کے قائل ہو گئے تھے۔ وہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی رسالت کو بعید از قیاس اور محال تصور کرتے تھے۔

اَب ہم مشرکین کی ان گمراہیوں میں سے ہر ایک کے بارے میں الگ الگ گفتگو کرتے ہیں۔

ا۔ شرک:

مشرکین کی پہلی گمراہی شرک ہے۔ شرک سے مراد یہ ہے کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں ان کو کسی دوسرے کی منسوب کر دینا، مثلاً:

۱۔ اپنے ارادے اور اختیار سے دنیا میں تصرف کرنا جسے ''کن فیکون'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۔ مریضوں کو شفا دینا۔

۳۔ کسی سے اس طرح ناراض ہونا کہ وہ اس ناراضگی کی وجہ سے بیمار، مفلس یا بدبخت بن جائے۔ مشرکین تخلیقی امور، یا بڑے بڑے معاملات کی تدبیر اور تصرف میں کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں مانتے تھے۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کام سے کوئی روک نہیں سکتا۔

مشرکین کا شرک صرف ان امور کے بارے میں تھا جو بعض خاص افراد کے ساتھ مخصوص تھے، مثلاً:

وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح کوئی بادشاہ اپنے کسی خاص درباری کو ملک کے کسی علاقے میں کوئی عہدہ دے کر بھیجتا ہے تو اسے چھوٹے چھوٹے کاموں میں خود مختار بنا کر بھیجتا ہے۔ کیوں بھیجتا ہے؟

اس لیے بھیجتا ہے تاکہ وہ ان کاموں میں بادشاہ کے احکام کی عدم موجودگی کی صورت میں اپنی رائے اور فیصلہ سے کام کر سکے۔ یہ بات تو عیاں ہے کہ بادشاہ جزوی نوعیت کے معاملات کی طرف توجہ نہیں دے سکتا۔

اس لیے وہ ایسے معاملات میں اپنے امراء اور حکام کو خود مختار قرار دے دیتا ہے۔ ایسا وہ

کیوں کرتا ہے؟

ایسا وہ اس لیے کرتا ہے تا کہ وہ امراء اور حکام جس طرح مناسب جانیں عمل کریں۔

شرک کا جواب

قرآن مجید نے مشرکین کے عقیدہ شرک کا جواب چار طریقوں سے دیا ہے:

۱۔ پہلے طریقہ میں ان سے ان کے عقائد کی صحت کی دلیل طلب کی اور انہیں یہ بتایا کہ ان کا یہ عقیدہ ان کے آباء و اجداد (یعنی حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے اس عقیدہ کے خلاف ہے جس کی پیروی کا وہ دعویٰ کرتے تھے، مثلاً: سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۸۰ میں ارشاد باری ہے:

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ

(اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی قوم جھگڑنے لگی تو انہوں نے فرمایا: کیا تم اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ جبکہ وہ مجھے ہدایت دے چکا ہے۔ اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ ہاں یہ کہ میرا رب کچھ چاہے (تو وہ ہوسکتا ہے)۔ میرا رب ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے تو کیا تم غور نہیں کرتے)۔

۲۔ سورۃ النحل کی آیت نمبر ۱۲۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ؕ وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

(یقیناً حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک پوری امت تھے۔ اللہ تعالیٰ کے مطیع فرمان سب سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کا ہو رہنے والے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے)۔

یہ قرآن مجید کا مشرکین کے عقیدہ شرک کا جواب دینے کا پہلا طریقہ ہے۔

۳۔ جواب دینے کے دوسرے طریقہ میں مشرکین کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ جن بندوں کو وہ اللہ تعالیٰ

کا شریک قرار دیتے ہیں ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کسی بھی قسم کی برابری اور مناسبت نہیں ہے۔ چنانچہ انتہائی درجہ کی تعظیم کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ بندے اس نوعیت کی تعظیم کے مستحق نہیں ہیں، مثلاً: قرآن مجید میں فرمایا:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا

(اے نبی ان سے کہو کبھی تم نے اپنے ان شریکوں کو دیکھا بھی ہے جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو؟ مجھے بتاؤ انہوں نے زمین میں کیا پیدا کیا ہے یا ان کی کوئی شرکت آسمانوں میں ہے یا ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کی ہے جو ان کے پاس بطور سند ہو۔ نہیں، حقیقت میں یہ ظالم ایک دوسرے سے محض جھوٹا وعدہ کرتے ہیں)۔

پھر فرمایا: اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ۔

(کیا یہ ان کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں)۔

مشرکین کے عقیدہ شرک کا جواب دینے کے تیسرے طریقہ میں انہیں یہ بتایا گیا ہے کہ گزشتہ زمانے کے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام توحید کے عقیدہ پر متفق ہیں، مثلاً: سورۃ الاعراف کے رکوع نمبر ۸ میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت سے لے کر رکوع نمبر ۱۲ میں حضرت شعیب کی دعوت توحید کو بیان کر کے آیت نمبر ۱۰۱ میں فرمایا:

ہم آپ کو ان آبادیوں کے واقعات سنا رہے ہیں جن کے پاس اللہ کے رسول دعوت توحید اور رد شرک کے دلائل پر مبنی تعلیمات لے کر آئے مگر ہر رسول کی قوم اپنے رسول پر ایمان لانے والی نہ بنی کیونکہ انہوں نے جھٹلانے کا فیصلہ کر لیا تھا پس اللہ بھی ایسے جھٹلانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (103)

(اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کے پاس وحی بھیجتے

رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے سو میری ہی عبادت کرو)۔

چوتھے طریقہ میں بتوں کی پرستش کی خامیاں بیان کی گئی ہیں اور انہیں یہ بتایا گیا ہے کہ جن پتھروں کے ٹکڑوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ انسانی شرف و کمال کے مقابلہ میں انتہائی پست ہیں پھر وہ خدائی کے مرتبہ کے لائق کس طرح ہو سکتے ہیں لیکن یہ جواب صرف اس قوم کے لیے تھا جو بتوں کو براہ راست خدا سمجھتی تھی، اس کا تعلق اس قوم سے نہیں ہے جو انہیں بعض پوشیدہ قوتوں کا نمائندہ جانتی تھی۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ج اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (104)

(اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟ بے شک میں تمہیں اور تمہاری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں)۔

۲۔ تشبیہ :

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تشبیہ کو مشرکوں کی گمراہی قرار دیا ہے۔ تشبیہ کے معنی یہ ہیں کہ انسانی صفات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے، جیسا کہ مشرکوں کا عقیدہ تھا، کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا، کہ اگر خدا خود پسند نہ بھی کرتا ہو، تب بھی گنہگاروں کے حق میں اپنے خاص بندوں کی سفارش قبول کر لیتا ہے، جیسا کہ بادشاہ اپنے وزراء و امراء سے متفق نہ ہونے کے باوجود، بعض معاملات میں ان کی سفارش قبول کر لیتے ہیں۔

تشبیہ کا جواب:

جو مشرک لوگ تشبیہ پر عقیدہ رکھتے تھے، انہیں تین طرح سے جواب دیا گیا:

الف۔ تشبیہ کا عقیدہ رکھنے والوں سے تشبیہ کے دعوے کی صداقت کی دلیل مانگی گئی۔ پھر مشرکوں کو آگاہ کیا گیا کہ ان کا عقیدۂ تشبیہ ان کے آباؤ اجداد کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کے آباؤ اجداد کا یہ عقیدہ نہیں تھا۔

ب۔ جواب دینے کے دوسرے طریقہ میں مشرکوں کو یہ بتایا گیا کہ ان کے عقیدہ اور ان کی دلیلوں کے مطابق تو یہ بات ضروری ہو جاتی ہے کہ باپ اور بیٹے ایک ہی طرح کے ہوں (یعنی ہم جنس ہوں)۔ لیکن جب باپ اور بیٹے ایک طرح کے نہیں ہوتے تو پھر یہ کیسے ضروری ہو گیا

کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیدا کئے ہوئے بندے ایک ہی طرح کے ہوں۔

ج۔ عقیدہ تشبیہ کے جواب دینے کے تیسرے طریقہ میں مشرکین کو سمجھایا گیا کہ جن چیزوں کو وہ اپنے لیے ناگوار (اور معیوب) سمجھتے ہیں ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا وہ کس طرح جائز قرار دے سکتے ہیں۔ جیسے وہ خود تو بیٹیوں کو اپنے لیے باعث عار سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

قرآن مجید کی درج ذیل آیتیں ان کے اس عقیدہ پر دلالت کرتی ہیں:

۱۔ ارشاد ربانی ہے: أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ (۱۰۵)

(یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کے رب کے لیے بیٹیاں ہوں اور آپ کے لیے بیٹے ہوں)۔

یہ جواب خاص طور پر ایسے لوگوں کو دیا گیا جو عوامی باتوں اور شعر و شاعری کی وہمی و خیالی باتوں کے عادی تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اکثریت ایسے ہی لوگوں کی تھی۔

۲۔ أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُم بِالْبَنِينَ ۝ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (۱۰۶)

((اے کافرو! اپنے پیمانہ فکر کے مطابق یہی جواب دو کہ) کیا اس نے اپنی مخلوقات میں سے (خود اپنے لیے تو) بیٹیاں بنا رکھی ہیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ مختص کر رکھا ہے؟ ۝ حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس (کے گھر میں بیٹی کی پیدائش) کی خبر دی جاتی ہے جسے انہوں نے (خدائے) رحمان کی شبیہ بنا رکھا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غم و غصہ سے بھر جاتا ہے)۔

۳۔ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ (۱۰۷)

(اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کی پیدائش) کی خبر سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ جو جاتا ہے اور وہ غصہ سے بھر جاتا ہے)۔

۳۔ تحریف:

تحریف کی تفصیلی حقیقت یہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مدتوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم رہی، یہاں تک کہ ان کے درمیان عمرو بن لحی ملعون پیدا ہوا، اس نے اُن

لوگوں کے لیے مختلف طرح کے بت تراشے، اور ان بتوں کی پرستش دین میں داخل کر دی۔ ان کے لیے بحیرہ، سائبہ، حام، تیروں کے ذریعہ قرعہ اندازی کا طریقہ ایجاد کیا۔ یہ حادثہ نبی اکرم ﷺ سے تقریباً تین سو سال قبل واقع ہوا تھا۔ مشرکین ان تمام امور کے لیے اپنے آباؤ اجداد کے آثار کو دلیل میں پیش کرتے تھے، اور انہیں اپنی قطعی دلیلوں میں سے ایک دلیل سمجھتے تھے۔

تحریف کا جواب:

جو مشرک لوگ تحریف پر عقیدہ رکھتے تھے، ان کو دو طریقوں سے جواب دیا گیا ہے:

الف۔ ایک تو یہ کہ انہیں بتلایا گیا کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں، وہ محض ان کی اپنی ایجاد ہے، اس طرح کی کوئی بات بزرگانِ دین (مذہبی پیشواؤں) سے منقول نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِّنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (۱۰۸)

((اللہ نے) آٹھ جوڑے پیدا کئے دو (نر و مادہ) بھیڑ سے اور دو (نر و مادہ) بکری سے۔ (آپ ان سے فرما دیجئے: کیا اس نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ (بچہ) جو دونوں ماداؤں کے رحموں میں موجود ہے؟ مجھے علم و دانش کے ساتھ بتاؤ اگر تم سچے ہو)۔

آیت کے خط کشیدہ جزء سے اسی بات پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ مذکورہ تحریم محض تحریف ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے منقول نہیں ہے (۱۰۹)۔

۲۔ اسی طرح مشرکین کے قول لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ (۱۱۰) (اگر اللہ چاہتا تو نہ (ہی) ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے آباء و اجداد اور نہ کسی چیز کو (بلا سند) حرام قرار دیتے)۔ مشرکین کے اس قول کے جواب میں ارشاد ربانی قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا (۱۱۱) سے بھی اسی پر تنبیہ مقصود ہے کہ یہ شرک و تحریم حضرات انبیاء علیہم السلام سے منقول نہیں ہیں۔

ب۔ دوسرے یہ کہ انہیں یہ سمجھایا گیا ہے، کہ جن امور پر وہ عقیدہ رکھتے ہیں، ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے، کیونکہ یہ سب محض غیر معصوم (خطا کار) لوگوں کی اختراعات ہیں، جن کا دین

و مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہے، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِن بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ(۱۱۲)

(اللہ نے نہ تو بحیرہ کو (امر شرعی) مقرر کیا ہے، اور نہ سائبہ کو اور نہ صلہ کو اور نہ حام کو، لیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں)۔

۲۔ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاءً عَلَى اللّٰهِ(۱۱۳)۔

(اور ان (چیزوں) کے جو اللہ نے انہیں (روزی کے طور پر) بخشی تھیں اللہ پر بہتان باندھتے ہوئے حرام کر ڈالا)۔

۴۔ عقیدہ آخرت:

مشرکین حشر و نشر اور حیات بعد الموت کو نہیں مانتے تھے۔ حالانکہ سابقہ انبیاء علیہم السلام نے بھی اور قرآن مجید نے بھی حشر و نشر کا تذکرہ کیا ہے۔ قرآن مجید میں حشر و نشر کے احوال کو اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جبکہ سابقہ انبیاء علیہم السلام نے قرآن مجید جیسی تفصیلات حشر و نشر کے احوال میں بیان نہیں کی ہیں۔ اس وجہ سے مشرکین حشر و نشر اور حیات بعد الموت کے عقیدہ سے آشنا نہیں تھے اور اسے سمجھ نہیں سکتے تھے۔

حشر و نشر کو محال سمجھنے والوں کے لیے جواب:

جو لوگ حشر و نشر اور حیات بعد الموت کو محال سمجھتے تھے، انہیں بھی مختلف انداز سے سمجھایا گیا ہے، اور مختلف طریقوں سے ان کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی ہے:

۱۔ سب سے پہلے زمین کی حالت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ زمین کس طرح خشک و ویران ہونے کے بعد سرسبز اور آباد ہو جاتی ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ زمین کی حالت کی اس تبدیلی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زندگی کا اعادہ ناممکن نہیں ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو دوبارہ سرسبز کر دیتا ہے، اسی طرح مرنے والوں کو دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے۔

۲۔ دوسرے انہیں یہ بتایا گیا ہے کہ گزشتہ امتیں اور قومیں بھی اس پر متفق ہیں۔ اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے، اور حساب کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونے پر عقیدہ

رکھتی ہیں، اور تمام مذاہب کا اس پر متفق ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ دوبارہ حیات یقینی ہے۔

۵۔عقیدہ رسالت اور مشرکین:

یہ مشرک لوگ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو مانتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام بشری جسم اور انسانی صفات کے ساتھ متصف تھے۔ یہ صفت ان کے نور رسالت کے لیے حجاب کا کام کرتی تھی۔ اس لیے یہ لوگ تشویش میں مبتلا ہو گئے کہ آدمی کیسے اللہ تعالیٰ کا قاصد ہو سکتا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ قاصد اور قاصد ارسال کرنے والے میں مماثلت ہونی چاہیے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اس تدبیر سے واقف نہیں تھے جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ نبوت و رسالت کے صحیح تصور سے قاصر تھے اور اسے محال سمجھتے تھے۔ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ رسول وہی ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ جیسا ہو۔ چنانچہ وہ اس بارے میں نامعقول اور لایعنی شبہات ظاہر کرتے، مثلاً: یہ کہتے تھے کہ جو شخص کھانے پینے کی حاجت رکھتا ہو وہ نبی کیسے ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو نبی بنا کر کیوں نہیں بھیجا؟ کیا سبب ہے کہ وہ ہر شخص پر وحی نہیں بھیجتا؟ اسی طرح کی اور بھی بہت سی بے عقل کی باتیں تھیں جو ان کے عقائد کا حصہ بن چکی تھیں۔

رسالت و نبوت کے متعلق مشرکین کے شبہات کا جواب

انبیاء علیہم السلام کی رسالت و نبوت کے بارے میں مشرکین کے غیر معقول اعتراضات اور شبہات کا الگ الگ جواب دیا گیا ہے:

۱۔ مشرکین کہتے تھے کہ انسان کو اللہ نبی یا رسول کیسے بنا سکتا ہے؟ کسی انسان کا نبوت یا رسالت کے عہدہ پر فائز ہونا محال ہے۔ ان کے اس اعتراض کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ تمام انبیاء اور رسول انسان ہی تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الف۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِم(۱۱۴)

(ہم نے آپ سے پہلے جو آدمی بھی رسول بنا کر بھیجے اُن کی طرف وحی کی)۔

ب۔ پھر فرمایا: وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ(۱۱۵)

(اور کافر کہتے ہیں کہ آپ (اللہ تعالیٰ کے) رسول نہیں ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ

میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے گواہ کافی ہے)۔

۲۔ مشرکین کے اعتراض کا دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جس رسالت کو انہوں نے محال (ناممکن) تصور کر رکھا ہے اس سے یہاں وحی مراد ہے۔ جیسا کہ ایک قرآنی آیت میں نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (۱۱۶)

(کہہ دیجئے کہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے)۔

پھر وحی کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے یوں کی ہے جو محال نہیں ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا (۱۱۷)

(بشر کے لیے ایسا نہیں ہوسکتا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کلام کرے، مگر یہ کہ وحی کے طور پر)۔

۳۔ مشرکین کے دوسرے اعتراضات کا جواب اجمالی طور پر دیا گیا ہے۔ انہیں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ ان کے مطالبہ کے مطابق انبیاء علیہم السلام سے معجزات کا ظہور نہ ہونا، ان کے موزوں قرار دیئے ہوئے شخص کو نبی نہ بنانا، فرشتوں کو رسالت پر مامور نہ کرنا، یا الگ الگ ہر شخص کے پاس وحی نہ بھیجنا۔ یہ سب کچھ ایک عظیم مصلحت کی وجہ سے ہے۔ مشرک لوگ اپنی کم علمی کی وجہ سے اس عظیم مصلحت کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔

عصر حاضر میں مشرکین کا نمونہ:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اگر کوئی شخص مشرکین کی حالت اور ان کے اعمال و عقائد کو سمجھنے میں کسی شک و شبے میں مبتلا ہو یا کوئی دشواری محسوس کرے تو موجودہ زمانے کے جہلاء اور عوام پر ایک نظر ڈال کر دیکھ لے، خاص طور پر وہ لوگ جو دُور دراز دیہاتوں میں رہتے ہیں کہ انہوں نے ولایت کو کیا سمجھ رکھا ہے، اگرچہ وہ گزشتہ زمانہ میں اولیاء اللہ کے وجود کا اعتراف کرتے ہیں، مگر اپنے زمانہ میں ان کے وجود کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہ لوگ مختلف قبروں اور درگاہوں میں جاتے ہیں اور وہاں طرح طرح کے مشرکانہ اعمال بجا لاتے ہیں۔ اور مزید یہ کہ تشبیہ و تحریف کے

سورات بھی ان میں گھر کر چکے ہیں۔ ایک حدیث صحیح میں آیا ہے" کہ تم بھی گزشتہ قوموں کے اعمال کی پیروی کرو گے"۔ چنانچہ گزشتہ قوموں کے باطل عقائد اور فاسد اعمال میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں رہ گئی جس کا ارتکاب آج کے مسلمان نہ کر رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے"(۱۱۸)۔

قرآن مجید کے مضامین کا یہ مختصر سا جائزہ ہے جو مشرکین کے متعلق پیش کیا گیا ہے۔ مشرکین کے بارے میں قرآن مجید کے مضامین خاص ترتیب کے ساتھ بیان نہیں ہوئے ہیں بلکہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ یہ قرآن مجید کے اس اسلوب کا ایک پہلو ہے۔ جس کے تحت اسے جمع کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ اسے عصر حاضر کی کتب کے طرح ابواب اور عنوانات میں تقسیم کر کے مرتب نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ قرآن مجید اصل میں سورتوں کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے۔ ان سورتوں میں مختلف مضامین پائے جاتے ہیں(۱۱۹)۔

یہود، نصاریٰ اور مشرکین سے نبوی مکالمات:

نبی اکرم ﷺ نے اپنی ۱۳ سالہ مکی اور ۱۰ سالہ مدنی حیات مبارکہ میں کئی طرح کے مکالمات کیے ہیں۔ یہاں ان میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ عتبہ بن ربیعہ کے ساتھ مکالمہ:

حضور اکرم ﷺ نے جس وقت اسلام کی دعوت علی الاعلان پیش کی تو ان پر قریش حیران و پریشان ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اس کے توڑ کے لیے غور و فکر کرنا شروع کیا اور اس مقصد کے لیے یہ منصوبہ بنایا کہ عتبہ بن ربیعہ کو آپ کے پاس بھیجا جائے، جو آپ ﷺ سے گفتگو اور مذاکرات کرے اور آپ ﷺ کو ان کی بات قبول کرنے پر آمادہ کرے(۱۲۰)۔

اس نے کہا آپ نے ان کے عقلمندوں کو بے وقوف قرار دیا، ان کے معبودوں پر تنقید کی اور ان کے آباء واجداد کو کافر قرار دیا۔ اس سلسلے میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، آپ وہ غور سے سنیں، ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کچھ باتیں آپ کو اچھی لگیں اور آپ انہیں مان لیں۔

اس پر رسول ﷺ نے فرمایا:"ابوولید تمہیں جو کچھ کہنا ہے کہو، میں سنوں گا"۔

چنانچہ عتبہ کو جو کچھ کہنا تھا وہ اس نے دل کھول کر کہا۔ وہ اپنی بات ختم کر چکا تھا آپ ﷺ

نے فرمایا:

ابوالولید تم کو جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تو اب میری بات سنو۔ اس نے کہا ضرور سنوں گا۔ رسول ﷺ نے سورۃ فصلت (حم السجدہ) کی تلاوت شروع کی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ ۳۷ ویں آیت پر جو کہ سجدہ کی آیت ہے، پہنچے تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا، پھر عتبہ نے فرمایا کہ ابوالولید تم سن چکے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ اللہ کی قسم ابوالولید کا وہ چہرہ نہیں ہے جو وہ لے کر گیا تھا۔ اس نے آتے ہی ان سے کہا: محمد ﷺ کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اس پر انہوں نے کہا: ابو الولید تم پر بھی ان کی باتوں کا جادو چل گیا ہے۔

اس قصے میں ہمیں اپنے زیر بحث موضوع سے متعلق بہت سے اہم اشارات و نکات ملتے ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ کرنا مفید رہے گا۔

الف۔ رسول اکرم ﷺ نے عتبہ کی بات بڑے عمدہ طریقے سے سنی، چنانچہ اسے یقین دہانی کرائی کہ ''تم کھل کر بات کرو میں تمہاری پوری بات سنوں، مکمل توجہ سے سنوں گا''۔

ب۔ جب عتبہ اپنی بات مکمل کر چکا تو رسول ﷺ نے پوچھا: ''ابوالولید اپنی بات کہہ چکے''؟ یعنی اب بھی کوئی بات رہ گئی ہو تو کہہ لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے مخاطب کی بات اچھے طریقے سے سنی اور تسلی سے اسے مزید بات کرنے کا موقع دیا تا کہ بغیر کسی قطع کلامی کے وہ اپنی بات پوری کر لے۔ جب آپ ﷺ نے اس سے پوچھ کر تسلی کر لی کہ اب اسے کچھ نہیں کہنا ہے، تب آپ ﷺ نے تلاوت شروع کی یہ ادب اور ذوق کا اعلیٰ معیار ہے، جس کی وجہ سے مخاطب کشادہ دلی سے بات سنتا ہے۔ چنانچہ بات کی ابتداء کا یہ مبارک انداز نتیجے کے لحاظ سے بہترین ثابت ہوا، یعنی قرآن کریم کی تلاوت اور آخر میں سجدہ کی آیت پر آپ ﷺ کا سجدہ کرنا، پھر آپ ﷺ نے عتبہ سے فرمایا: ''ابوالولید تم بات سن چکے، اب تم جانو اور تمہارا کام'' (یعنی جو چاہو کرو) (۱۲۱)۔

ج۔ آپ ﷺ نے اپنے طرز عمل میں جس شائستگی اور اعلیٰ ذوق کا مظاہرہ کیا اور جس پرسکون طریقے سے عتبہ کی بات سنی، اس نے عتبہ کو مجبور کر دیا کہ وہ بھی توجہ سے آپ ﷺ کی بات سنے اور اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اس لیے جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹا تو ان لوگوں نے کہا: ''ابوالولید تم پر بھی ان کی زبان کا جادو چل گیا ہے''۔

۲۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور پھر انصار کے ساتھ مکالمہ

رسول اللہ ﷺ نے جنگ ختم ہونے پر عرب کے مختلف قبائل اور قریش کے لوگوں میں بہت سارا مال تقسیم کیا لیکن آپ ﷺ نے انصار کو اس میں کچھ نہیں دیا۔ اس پر ان میں کچھ لوگ ناراض ہو گئے چنانچہ ان میں سے کسی نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ اپنی قوم سے جا ملے ہیں''۔ لہٰذا سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ اس سلسلے میں بات کرنے کے لیے آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: ''انصار کا قبیلہ آپ ﷺ سے اس بنا پر ناراض ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے جنگ سے حاصل شدہ مال غنیمت اپنی قوم میں تقسیم کرنے کا رویہ اختیار کیا اور اپنی قوم کو اور عرب قبائل کو بہت سا مال دے دیا، جبکہ انصار کو اس میں کچھ بھی نہ دیا''۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سعد تمہارا کیا خیال ہے''؟ انہوں نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ میں بھی تو اپنی قوم ہی کا فرد ہوں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اپنی قوم کو اس مقام پر جمع کرو (میں ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں)''۔

چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جا کر انصار کو جمع کیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بہترین حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اے گروہ انصار، آپ لوگوں کی باتیں مجھ تک پہنچی ہیں اور آپ لوگوں کی ناراضگی بھی مجھے معلوم ہوئی ہے۔ کیا جب میں تم لوگوں کے پاس آیا تو تم لوگ گمراہ نہ تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی۔ کیا تم لوگ تنگ دست نہ تھے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنی کر دیا۔ تم ایک دوسرے کے دشمن نہ تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں باہم شیر و شکر کر دیا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے انصار تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ ﷺ کو کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ہم پر بڑے احسان اور فضل ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا کی قسم اگر تم یہ بات کہو اور یہ سچ بھی ہے کہ آپ ہمارے پاس جھٹلائے ہوئے آئے تو ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ آپ بے یار و مددگار تھے تو ہم نے آپ کی مدد کی، آپ بے سہارا تھے ہم نے آپ کو ٹھکانا مہیا کیا، بے بضاعت تھے ہم نے آپ کی دل جوئی کی۔ اے گروہ انصار! کیا تم اس حقیر سی دنیا کے سامان پر مجھ سے ناراض ہو رہے ہو، جو میں نے اس قوم کی دلجوئی کے لیے اس وجہ سے خرچ کیا تا کہ وہ لوگ اسلام کی طرف مائل رہ سکیں اور تمہیں تمہارے اسلام کے حوالے کیا۔ تم لوگ اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بھیڑ بکریاں اور اونٹ لے کر واپس جائیں اور تم رسول ﷺ کو اپنے

ساتھ لے کر اپنے گھروں کو جاؤ، خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ ایک گھاٹی سے گزرتے اور انصار دوسری گھاٹی سے چلتے تو میں انصاف کی گھاٹی سے چلتا۔ یا اللہ انصار پر رحم فرما، انصار کے بیٹوں پر رحم فرما اور انصار کے پوتوں پر رحم فرما (۱۲۲)۔

اس گفتگو سے لوگوں پر رقت طاری ہوگئی اور وہ رونے لگے یہاں تک کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور کہنے لگے ہم رسول اللہ ﷺ کی تقسیم پر راضی اور خوش ہیں۔

الف۔ اس واقعہ میں بھی بہت سے ایسے مفید اور اعلیٰ سبق ہیں جن پر غور کرنا ضروری ہے، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اس بات پر کسی قسم کی ملامت نہیں کی کہ انہوں نے انصار کو مطمئن کیوں نہیں کیا اور نہ ہی آپ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ سے اس بات کی دلیل پر بحث و مباحثہ کیا، جس کی گنجائش بہر حال موجود تھی۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں بھی سوال نہیں کیا جس نے یہ بات کہی تھی کہ بخدا رسول اللہ ﷺ اپنی قوم سے مل گئے ہیں اور آپ ﷺ نے ان کی (قریش) کی طرفداری اور محبت کرتے ہوئے عصبیت کی وجہ سے ان کے حق میں زیادہ دے دیا ہے۔ بلکہ آپ ﷺ نے اس طرح عمومی سوال کئے جن میں بات کا رخ سب کی طرف ہو اور بات کی بنیاد پر توجہ مرکوز رہے۔

ب۔ آپ ﷺ نے ان پر گرفت کرنے والے سوالات سے بات شروع کی اور اس کے بعد اس بڑے احسان کا تذکرہ فرمایا جس کی وجہ سے انصار نے مراد پائی تھی، یعنی اسلام لاکر گمراہی سے ہدایت کی طرف آئے، تنگدستی سے خوشحالی میں داخل ہوئے اور عداوت و نفرت کے بجائے باہمی محبت و الفت سے سرشار ہوئے۔

ج۔ پھر یہ بات طبعی تھی کہ انصار کے دلوں میں یہ خیال آئے کہ انہوں نے بھی رسول اکرم ﷺ کا ساتھ دیا تھا، مدد کی تھی اور تصدیق و تائید کی تھی۔ یہ تمام باتیں ان کی خوبیاں تھیں اور حق و صداقت کا مظہر تھیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے یہ باتیں بھی خود ہی ارشاد فرمادیں تاکہ ان کی اچھائیوں اور خوبیوں کا اقرار بھی ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے بلاشبہ ایسے وقت میں ان کی تصدیق کی جب کہ وہ ان کے پاس جھٹلائے ہوئے آئے تھے، ایسے وقت میں ان کی مدد کی جب کہ وہ بے یار و مددگار آئے

تھے، اس وقت ان کو ٹھکانہ دیا جبکہ وہ بے سہارا تھے اور انہوں نے ان کی اس وقت دل جوئی کی جبکہ وہ نادار و تنگ دست تھے۔

د۔ آپ ﷺ نے اگرچہ ان کی ایک پہلو سے ملامت کی تو دوسرے پہلو سے دل جوئی کی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی بات یہ اقرار کرتے ہوئے ختم کی چونکہ انصار اسلام میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں لہٰذا انہیں اسلام کے حوالے کیا۔ پھر بتایا کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے جس سے وہ سرفراز ہو رہے ہیں کہ دوسرے لوگ تو بھیڑ بکریاں اور اونٹ لے کر جا رہے ہیں اور انصار خاتم الانبیاء افضل الخلق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ساتھ لے کر لوٹ رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کے بیٹوں اور ان کے پوتوں کے لیے رحمت کی دعا کی۔ لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ انصار کو ہم روتے ہوئے، مطمئن اور خوش ہوتے ہوئے اور خوش بختی اور سعادت کے احساس سے سرشار یہ کہتے ہوئے پاتے ہیں کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کی تقسیم اور آپ کی رضا پر راضی ہیں'' (۱۲۳)۔

۳۔ زید بن سعنہ نامی یہودی سے مکالمہ

زید بن سعنہ نامی ایک یہودی نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے اس سے کچھ مدت کے لیے ادھار پر کھجوریں خریدیں تھیں۔ اس نے یہ مدت ختم ہونے سے پہلے ہی بڑی سختی کے ساتھ لوگوں کے درمیان آپ ﷺ سے رقم کی واپسی کا تقاضا کیا۔ اس نے جو باتیں کیں ان میں سے ایک یہ تھی: اے عبدالمطلب والو! تم لوگ لین دین میں بڑے ٹال مٹول کرتے ہو۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مارنے کے لیے اس کی طرف بڑھے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں روک دیا اور ان سے فرمایا: ''اے عمر رضی اللہ عنہ میں اور وہ تم اس بات (لڑنے) کی نسبت ایک دوسری بات کے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ تمہیں چاہیے تھا کہ مجھے اچھے طریقے سے ادائیگی کی تاکید کرتے اور اسے اچھے انداز سے تقاضہ کرنے کو کہتے''۔ پھر آپ ﷺ نے اس کا حق ادا کرنے اور (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈرانے دھمکانے کے بدلے میں) بیس صاع زیادہ دینے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ کی اس بات پر یہودی نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا (۱۲۴)۔

۴۔ مختلف غیر مسلم وفود کے ساتھ مکالمے

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جن وفود عرب کے باقاعدہ مکالمات ہوئے ان میں سے یہاں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے:

الف۔ نجران کے عیسائیوں کا وفد

نبی اکرم ﷺ نے اہل نجران کی طرف ایک مکتوب ارسال فرمایا تھا جس میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی (۱۲۵)۔ جب یہ گرامی نامہ وہاں کے لارڈ پادری کو ملا تو پڑھ کر بہت گھبرا گیا اور پریشان ہو گیا۔ کئی لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد ایک وفد کو بھیجنے پر اتفاق ہوا (۱۲۶)۔

نجران کے عیسائیوں کا یہ وفد ساٹھ شہسواروں پر مشتمل تھا۔ ان میں چودہ ان کے رئیس تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس وفد کے شرکاء کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا حتیٰ کہ انہوں نے بیت المقدس کی جانب منہ کر کے عبادت کی تو بھی نبی اکرم ﷺ نے انہیں منع نہیں کیا۔ ۹ھ میں بنو ثقیف کا وفد آیا تھا (۱۲۷)۔

ب۔ وفد بنو تمیم

بنی تمیم کا وفد بڑی شان و شوکت کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ وفد قبیلہ کے بڑے بڑے امراء اور رؤساء پر مشتمل تھا اور سارے وفد میں اسی، نوے کے قریب افراد تھے (۱۲۸)۔

ج۔ حبشہ کے عیسائیوں کا وفد

حبشہ سے عیسائی علماء کا ایک وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے بات چیت کے بعد انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا (۱۲۹)۔

تین سرداروں پر مشتمل ایک وفد نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وفد میں عامر بن طفیل نے گستاخانہ رویہ اختیار کیا لیکن آپ نے اسے جانے دیا۔ اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی (۱۳۰)۔

اس طرح کئی سو وفود نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے سب کا استقبال کیا۔ ان کے سوالات کے جوابات دے۔ ان کی خاطر تواضع کی جس سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے مکالمہ و بات چیت کو ہمیشہ لڑائی پر ترجیح دی (۱۳۱)۔

۵۔ معاہدات نبوی ﷺ

نبی اکرم ﷺ نے باقی حیات مبارکہ میں یہود و نصاریٰ، مشرکین اور مجوسیوں سے معاہدات کیے ہیں۔ یہ معاہدات مکالمات اور بات چیت کے بعد طے پائے۔ ان معاہدات سے قبل غیر مسلموں کو باقاعدہ طور پر اسلام کی دعوت دی گئی۔ جب انہوں نے دعوت اسلام قبول نہ کی تو معاہدہ کی پیش کش کی گئی۔ جب وہ معاہدہ کے لیے بھی تیار نہیں ہوئے تو اس کا فیصلہ پھر کھلی اعلان جنگ اور دعوت مبارزت کے ذریعہ دیا گیا۔ دھوکہ کا استعمال نہیں کیا گیا۔ آپ ﷺ نے غیر مسلموں سے جو معاہدات کیے ان میں مکمل مذہبی آزادی فراہم کی گئی ہے جیسے میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ، قبیلہ غطفان سے معاہدہ اور خیبر کے یہود سے معاہدہ جس میں انہیں مکمل آزادی دی گئی اور نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ کیا اور معمولی سی سزا کے ساتھ مکمل آزادی اور تحفظ کی ضمانت فراہم کی گئی (۱۳۲)۔

۶۔ مراسلات

نبی اکرم ﷺ نے مراسلات کے ذریعے بھی مکالمات کیے ہیں۔ وہ اس طرح کہ آپ ﷺ نے جزیرہ عرب کے تمام پڑوسی ممالک کے بادشاہوں کو دعوتی خطوط لکھے جو دو طرح کے تھے:

الف۔ ایک تو مسلم امراء و قبائل کے نام تھے۔

ب۔ اور دوسرے غیر مسلم امراء و قبائل کے نام۔

ہمارا موضوع دوسری قسم کے مراسلات ہیں، جنہیں نبی اکرم ﷺ نے غیر مسلم بادشاہوں اور امراء و قبائل کی طرف ارسال فرمائے (۱۳۳)۔

ان خطوط کے ذریعے نبی اکرم ﷺ نے غیر مسلموں سے مکالمہ کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور اس کی اتباع پر آمادہ کیا (۱۳۴)۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کے مکالمات کے اثرات و نتائج

مکالمہ، گفتگو کا ایک عمدہ اور موثر انداز ہے جو انسان کی زندگی کے ہر میدان میں بہت گہرے اثرات چھوڑتا ہے ذیل میں اس سلسلہ کے چند ایک اثرات و نتائج کو بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ مکالمہ سے لوگوں بالخصوص علماء وقت میں بیداری پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ علمی و

فکری طور پر کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

۲۔ مکالمہ کے نتیجہ میں صحیح وغلط اور حق و باطل میں فرق ہو جاتا ہے۔

۳۔ اسلام کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں جو شبہات پیدا ہوتے ہیں انہیں مکالمہ کے ذریعہ سے دور کیا جاتا ہے۔

۴۔ دین اسلام کی تبلیغ کے لیے مکالمہ کے اسلوب نے بہت عمدہ اثرات چھوڑے ہیں بالخصوص جب فریق ثانی کی نفسیات کو سمجھ کر اسلام کی حقانیت پیش کی گئی ہو اور اسے دین اسلام کی دعوت دی گئی ہو۔

۵۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی اسلام کے خلاف کوئی تحریک اٹھی اور اس کے مضر اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے تو ردعمل کے طور پر مسلمانوں نے جب مکالمہ کا اسلوب اپنایا تو اس کے دوررس نتائج حاصل ہوئے۔ اس سے نہ صرف مخالف تحریک کے کارندے متاثر ہوئے بلکہ غیر تحریکی افراد کو بھی حقائق معلوم ہوئے اور وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

۶۔ مکالمہ کے ذریعہ سے مسلمانوں میں مکالمہ کا شوق بڑھتا ہے اور وہ دین اسلام کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اس طرح ان میں شعور پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ دوسروں کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ مذاہب کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ اس طرح کے ردّیہ کی ایک مثال ہمیں سید ابوالمعصور دہلوی کی کتاب ''نوید جاوید'' میں ملتی ہے۔ اس کے شروع میں مصنف نے لوگوں کو مطالعہ (مکالمہ) بین المذاہب پر ابھارنے کے لیے سترہ اسباب بیان کیے ہیں جو ۲۹ صفحات پر مشتمل ہیں (۱۳۴الف)۔

۷۔ مکالمہ کے اثرات میں سے ایک اہم اثر یہ بھی ہے کہ اس سے دیگر مذاہب کی اصل تصویر واضح انداز میں سامنے آجاتی ہے جو مکالمہ سے قبل واضح نہیں ہوگی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ لکیر کے فقیر بننے کی بجائے دیگر مذاہب کی اصل تعلیمات کو پرکھنے لگے اور اسلام سے صحیح طور پر آشنا ہونے لگے۔

۸۔ مکالمہ کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہمیشہ اسلامی نظریہ کو فروغ ملا ہے۔ مکالمہ میں سچے حقائق اور مضبوط دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر فریق ثانی سلیم عقل و خرد کا مالک ہو تو وہ اسلامی نظریہ کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے قرآن مجید سچی اور درست بات

کہنے کی تلقین کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا(۱۳۵)

(اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور ہمیشہ سچی بات کہا کرو)۔

۹۔ عصر حاضر میں مکالمہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کے بہت سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اس وقت تمام اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ آس وقت بین المذاہب ہم آہنگی کی ضرورت ہے۔ اس وقت ان تعلیمات کو سامنے لانے کی ضرورت ہے جو دین اسلام اور دیگر مذاہب کی کتب میں مشترکہ نوعیت کے ہیں۔ اس طرح کے اقدام سے ان خطرات کو بآسانی ٹالا جا سکتا ہے جو اس وقت مسلمانوں کے سر پر منڈلا رہے ہیں۔ ہر آدمی کی خواہش ہے کہ پر امن زندگی گزاری جائے۔ یہ مقصد اس وقت دین اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان مکالمہ کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ اسلامی تہذیب اور دیگر مذاہب کی تہذیبوں میں ہمیشہ سے کسی نہ کسی شکل کا تصادم رہا ہے۔ موجود دور میں اس میں کافی شدت آ چکی ہے جس کے نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آج پوری انسانیت کو اپنے وجود کے بقا کے لیے ایک ایسے علمی نظام کی ضرورت ہے جس کی بنیاد ٹکراو کے بجائے مکالمہ اور مجادلہ حسنہ ہو۔ ایسی ضرورت صرف دین اسلام پوری کر سکتا ہے۔ جس نے آج سے کئی صدیاں پہلے یہ بنیاد فراہم کر دی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ(۱۳۶)

تجاویز:

اس کانفرنس کی وساطت سے یہ تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ بین الاقوامی سطح پر تقاریر اور سیمینار کرائے جائیں۔ پاکستان اور دیگر ممالک سے انتہائی زیرک علماء و فقہاء اور زعماء جو دین کی فہم رکھتے ہوں، انہیں تبلیغ کے لیے روانہ کیا جائے اور

بالخصوص ان اعتراضات کا مدلل جواب دیا جائے جو مستشرقین اور اسلام دشمن عناصر کرتے ہیں۔

۲۔ بین الاقوامی سطح پر بین المذاہب ہم آہنگی کے لیے فورم تشکیل دیے جائیں اور عالم اسلام کے جید علمائے کرام اور دینی سکالرز کو تقابل ادیان پر لیکچرز اور مکالمہ و مجادلہ کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

۳۔ قومی سطح پر بین المسالک ہم آہنگی کے لیے متحدہ فورم تشکیل دیا جائے اور ہر مسلک کے علمائے کرام کو مشترکہ لائحہ عمل ترتیب دینے کی دعوت دی جائے اور دعوت کے ہمہ جہت مشن کی تکمیل کے لیے مجادلہ و مکالمہ کی پرامن فضا قائم کرنے کی عملی کوشش کی جائے۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ دیکھئے: لسان العرب، ج ۵، ص ۲۱۷ تا ۲۱۹، دار الفکر بیروت، القاموس المحیط للفیروز آبادی، ج ۵، ص ۱۵، مادہ الحور، دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۸ — ۱۹۷۸ء، مختار الصحاح، محمد الرازی، ص ۱۶۱، مادہ حور، دار الکتب العلمیة، بیروت۔

۲۔ دیکھئے: ادب الحوار، د۔ محمد حسین بخیت، ص ۵۶، ۵۷، الجامعة الاسلامیة بغزة، کلیة اصول الدین مؤتمر الدعوة الاسلامیة و متغیرات العصر، ۷—۸ ربیع الأول، ۱۴۲۶ھ، ۱۶—۱۷ اپریل ۲۰۰۵ء۔

۳۔ دیکھئے: کیف تحاور، دکتور طارق بن علی الحبیب، ص ۸، دار المسلم للنشر والتوزیع، ط اولی: ۱۴۱۴ھ — ۱۹۹۴ء، لؤلؤیات الحرکة الاسلامیة فی المرحلة القادمة، ص ۱۷۲، مؤسسة الرسالة، ط ۱۲، ۱۴۱۱ھ — ۱۹۹۱ء۔

۴۔ دیکھئے: لسان العرب، ج ۱۱، ص ۱۰۵، مادہ جدل، مختار الصحاح، ص ۱۲۸، ط: ۲، ۱۴۰۱ھ — ۱۹۸۱ء، دار القلم بیروت،

تاریخ الجدل، محمد أبو زهره، ص ٥، دار الفكر العربي، التعريفات للجرجاني، ص ٢٣٢، ط الثالثة، ١٤٠٨ھ — ١٩٨٨ء، دار الكتب العلمية بيروت، ضوابط المعرفة و أصول الاستدلال والمناظره، عبدالرحمن الميداني، ص ٣٧١، ط ٢، ص ١٤٠٨ھ — ١٩٨١ء، دار القلم، بيروت۔

٥۔ سورۃ المومن (٤٠)، آیت ٥۔

٦۔ سورۃ الحج (٢٢): ٨۔

٧۔ سورۃ المومن (٤٠): ٤۔

٨۔ سورۃ النحل (١٦): ١٢٥۔

٩۔ سورۃ العنکبوت (٢٩): ٤٦۔

١٠۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: المدخل الى علم الدعوة، دكتور مصطفى و آخرون، ج ٢، ص ٧٧٢، المكتبة الاسلامية، استانبول تركيا۔

١١۔ اسلوب المحاورة فى القرآن الكريم، دكتور عبدالحكيم حفضى، ص ١٢۔

١٢۔ سورۃ الکہف (١٨): ٣٤۔

١٣۔ سورۃ الکہف (١٨): ٣٧۔

١٤۔ سورۃ المجادلۃ (٥٨): ١۔

١٥۔ دیکھئے: تفسیر الطبری، ج ١٥، ص ٢٤٦، ٢٤٧، ج ٢٨، ص ٦، تفسیر الکشاف، ج ٣، ص ٤٨٤۔

١٦۔ جامع صحيح مسلم، كتاب الايمان، ج ١، ص ٧٩، حديث نمبر ١١٢، ورواه أحمد، ج ٥، ص ١٦٦۔

١٧۔ جامع صحيح مسلم، بشرح النوى، ج ٢، ص ٥٠۔

١٨۔ جامع صحيح مسلم، كتاب الحج، ج ٢، ص ٩٧٩، حديث نمبر ٤٢٦، نيز ديكھئے: سنن ابن ماجه، كتاب الدعاء، ج ٢، ص ١٢٧٩، حديث

نمبر ۳۸۸۸، وجامع الترمذی، کتاب الدعوات، ج۵، ص ۴۹۹، حدیث نمبر ۳۴۳۹، مسند الامام احمد، ج۵، ص ۸۲۔

۱۹۔ جامع صحیح البخاری، کتاب التفسیر، حدیث نمبر ۴۶۴۔

۲۰۔ دیکھئے: اداب الحوار، فی ضوء الکتاب والسنة، یحییٰ بن محمد حسن بن أحمد زمزمی، ص ۲۶، رسالة الماجستیر، کلیة اصول الدین، جامعة ام القری، ۱۴۱۳ھ۔

۲۱۔ سورة النحل (۱۶): ۱۲۵۔

۲۲۔ دیکھئے: آداب الحوار فی ضوء الکتاب والسنة، یحییٰ بن محمد حسن بن أحمد زمزمی، ص ۲۶، رسالة الماجستیر، کلیة اصول الدین، جامعة ام القری، ۱۴۱۳ھ۔

۲۳۔ جامع صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج۱، ص ۳۶، حدیث نمبر ۲۱۔

۲۴۔ مکالمات قرآن اور دور حاضر میں ان سے استفادہ، ڈاکٹر طاہر صدیق، ماہنامہ دعوہ، اسلام آباد اگست ۲۰۰۶ء، ص ۲۰-۲۱۔

۲۵۔ نوید جاوید، ابوالمنصور، سید، ص ۱-۱۵، نصرت المطابع، دہلی، س۔ن۔

۲۶۔ ان آداب و اخلاق کی تفصیلات و توضیحات کے لیے ملاحظہ کیجئے: آداب الحوار، دکتور محمد حسن بخیت، سابق حوالہ، ص ۶۰، و مابعدھا، الحوار أصوله وضوابطه وأثره فی الدعوه الاسلامیة، الأستاذ یوسف علی فرحات، محولہ بالا، ص ۱۷۲ تا ۱۸۳، آداب الحوار فی ضوء الکتاب والسنة، محولہ بالا، ص۸۶، ومابعدھا، مکالمہ و اتحاد بین المذاھب کی مذھبی بنیادیں، پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، ص ۶۹، ص ۱۱۳، مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ مارچ ۲۰۰۵ء۔

۲۷۔ الجہاد فے الاسلام، سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ ص ۳۲۸، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔

۲۸۔ مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیوں اور کس طرح؟، اسمتھ ، ولفرڈ لیانٹول، ڈاکٹر، (مترجم)، سید مبازر الدین و ڈاکٹر ابونصر محمد، ص ۱۹۸، ۱۹۹، ماہنامہ برہان، دہلی، اکتوبر ۱۹۶۲ء۔

۲۹۔ مطالعۂ مذاہب عالم، پروفیسر محمد نواز چودھری، ص ۳۰، پولیمر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، ط نہم، ۲۰۰۷ء۔

۳۰۔ ادیان و مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ڈاکٹر عبدالرشید، ص ۲۴، نیز دیکھئے: مطالعہ مذاہب عالم، پروفیسر محمد نواز چوہدری، محولہ بالا، ص ۳۰۔

۳۱۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: اسلام اور مذاہب کا تقابلی مطالعہ، اسرار الرحمٰن بخاری، ص ۱۲، نیو بک پیلس، لاہور۔

۳۲۔ اقوام عالم کے ادیان و مذاہب، عبدالقادر شیبہ الحمد، اردو ترجمہ از ابو محمد ادریس اثری، ص ۲۳۸، ۲۳۹، مسلم پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء۔

۳۳۔ تعمیر انسانیت میں اسلام کا حصہ، مولانا وحید الدین خان، ص ۶۸، دار التذکیر، لاہور، ۲۰۰۰ء۔

۳۴۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، محولہ بالا، ص ۳۱۔

۳۵۔ اسلامی تہذیب بمقابلہ مغربی تہذیب، افضال ریحان، ص ۱۶، دار التذکیر، لاہور، ۲۰۰۴ء۔

۳۶۔ اسلام میں حلال و حرام، یوسف القرضاوی، (مترجم: شمس پیرزادہ)، ص ۷۶، اسلامک پبلیکیشنز پرائیوٹ لمیٹڈ، لاہور، اکتوبر ۲۰۰۵ء۔

۳۷۔ سورۃ آل عمران (۳):۱۹۔

۳۸۔ سورۃ المائدۃ (۵):۳۔

۳۹۔ اسلام اور مغرب موجودہ صورت حال، امکانات، تجاویز، ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ، ص ۸، ۹، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، س۔ن۔

۳۹الف۔ ایضاً۔

۴۰۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: تفہیم القرآن، مولانا مودودی رحمہ اللہ، ج ۵، ص ۴۹۰، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ج ۲۳، ص ۳۵۵۔

۴۱۔ سورۃ الاحزاب (۳۳):۶۹۔

۴۲۔ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، عربی مع اعراب و ترجمہ، حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ، مترجم: مولانا سید محمد مہدی الحسنی، ص ۲۹، لاہور۔

۴۳۔ سورۃ المائدۃ (۵):۱۳۔

۴۴۔ سورۃ المائدۃ (۵):۴۱۔

۴۵۔ سورۃ البقرۃ (۲):۷۵۔

۴۶۔ الفوز العظیم اردو شرح الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، شارح: مولانا خورشید انور قاسمی، ص ۸۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

۴۷۔ دیکھئے: سابق حوالہ، ص ۹۲ تا ۹۸۔

۴۸۔ سورۃ البقرۃ (۲):۸۰۔

۴۹۔ البقرۃ (۲):۱۱۱-۱۱۲۔

۵۰۔ دیکھئے: الفوز الکبیر، محولہ بالا، ص ۳۳، ۳۴، الفوز العظیم، محولہ بالا ص ۱۰۶ و مابعدھا۔

۵۱۔ سورۃ المائدہ (۵):۴۳۔

۵۲۔ سورۃ البقرہ (۲):۷۶۔

۵۳۔ الفوز العظیم، محولہ بالا، ص ۱۰۸ تا ۱۱۰، نیز دیکھئے: الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، تحقیقی مطالعہ از علی اصغر سلیمی، ص ۴۵، ۴۶، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۰۵ء۔

۵۴۔ سورۃ النور (۲۴):۱۶۔

۵۵۔ آل عمران (۳):۷۸۔

۵۶۔ سورۃ المائدہ (۵):۶۶۔

۵۷۔ الفوز العظیم، محولہ بالا، ص ۹۰۔

۵۸۔ سورۃ المائدہ (۵)، ۴۱۔

۵۹۔ الفوز العظیم، محولہ بالا، ص ۹۰۔

۶۰۔ سورۃ البقرۃ (۲):۱۱۱۔ ۶۱۔ البقرۃ (۲):۱۱۳۔

۶۲۔ سورۃ البقرۃ (۲):۱۲۰۔ ۶۳۔ سورۃ البقرۃ (۲):۷۶۔

۶۴۔ الفوز العظیم، محولہ بالا، ص ۹۰۔ ۶۵۔ سورۃ البقرۃ (۲):۱۴۶۔

۶۶۔ سورۃ البقرۃ (۲):۴۴۔ ۶۷۔ الفوز العظیم، محولہ بالا، ص ۹۱۔

۶۸۔ الفوز الکبیر، محولہ بالا ص ۳۷، الفوز العظیم، محولہ بالا، ص ۱۱۹۔

۶۹۔ الفوز الکبیر، تحقیقی مطالعہ، علی اصغر سلیمی، ص ۵۰، ۵۱۔

۷۰۔ سورۃ البقرۃ (۲):۱۰۴۔ ۷۱۔ الفوز العظیم، محولہ بالا، ص ۹۱۔

۷۲۔ سورۃ النساء (۴):۴۶۔ ۷۳۔ الفوز العظیم، ص ۹۲۔

۷۴۔ سورۃ آل عمران (۳):۱۸۱۔ ۷۵۔ البقرۃ (۲):۲۴۵۔

۷۶۔ تفسیر ابن کثیر۔ ۷۷۔ سورۃ المائدۃ (۵):۶۴۔

۷۸۔ سورۃ ابراہیم (۱۴):۳۴۔

۷۹۔ **البخاری، کتاب التوحید، باب و کان عرشه علی الماء، مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الحث علی النفقة.**

۸۰۔ سورۃ النساء (۴):۵۳۔ ۸۱۔ تفسیر ابن کثیر، تفسیر جلالین، ج ۱، ص ۷۸۔

۸۲۔ سورۃ النساء (۴):۳۷۔ ۸۳۔ سورۃ آل عمران (۳):۷۵۔

۸۴۔ الفوز الکبیر، محولہ بالا، ص ۴۰، الفوز العظیم، ص ۱۲۳، ۱۲۴۔

۸۵۔ الفوز الکبیر، تحقیق مطالعہ، علی اصغر سلیمی، تفصیل کے لیے دیکھئے: تفہیم القرآن، ج ۵، ص ۴۷۹-۴۸۰، نصرانیت قرآن کی روشنی میں، سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۵ء۔

۸۶۔ الفوز العظیم، محولہ بالا، ص ۱۲۹۔

۸۷۔ ایضاً، ص ۱۳۴۔

۸۸۔ ایضاً، ص ۱۳۶۔

۸۹۔ ایضاً، ص ۱۳۷۔

۹۰۔ اس آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ سب لوگ یہ جانتے ہیں کہ رسول کے کلام میں متکلم کے صیغہ کی نسبت حقیقی نہیں مجازی ہوتی ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس نوعیت کے کلام سے استدلال کرنا غلط ہے۔

۹۱۔ ایضاً، ص ۱۴۴۔ ۹۲۔ ایضاً، ص ۱۵۲، ۱۵۳۔

۹۳۔ سورۃ النساء (۴): ۱۷۱۔ ۹۴۔ التوبہ (۹): ۳۱۔

۹۵۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء مسند أحمد، ج ۱، ص ۲۳، نیز دیکھئے: مسند أحمد، ج ۱، ص ۱۵۳۔

۹۶۔ تفسیر ابن کثیر، تفسیر آیت ہذا۔

۹۷۔ سورۃ المائدۃ (۵): ۷۳۔

۹۸۔ سورۃ المائدۃ (۵): ۱۱۶۔

۹۹۔ تفسیر ابن کثیر، تفسیر آیت ہذا۔

۱۰۰۔ سورۃ المائدۃ (۵): ۷۵۔

۱۰۱۔ الفوز العظیم، ص ۱۴۳، ۱۴۴۔

۱۰۲۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: الفوز العظیم، محولہ بالا، ص ۳۹ تا ۴۲۔

۱۰۳۔ سورۃ الانبیاء (۲۱): ۲۵۔

۱۰۴۔ سورہ الانعام (۶): ۷۴۔

۱۰۵۔ الصّٰفّٰت (۳۷): ۱۴۵۔

۱۰۶۔ سورۃ الزخرف (۴۳): ۱۶-۱۷۔

۱۰۷۔ سورۃ النحل (۱۶): ۵۸۔

۱۰۸۔ سورۃ الانعام (۶): ۱۴۳۔

۱۰۹۔ دیکھئے: فوائد عثمانیہ علی ترجمہ شیخ الہند۔

۱۱۰۔ سورۃ الانعام (۶): ۱۴۸۔

۱۱۱۔ سورۃ الانعام (۶): ۱۴۸۔

۱۱۲۔ سورۃ المائدۃ (۵): ۱۰۳۔

۱۱۳۔ سورہ الانعام (۶): ۱۴۰۔

۱۱۴۔ سورۃ النحل (۱۶): ۴۳۔

۱۱۵۔ سورۃ الرعد (۱۳): ۴۳۔

۱۱۶۔ سورۃ الکہف (۱۸): ۱۱۰۔

۱۱۷۔ سورۃ الشوریٰ (۴۲):۵۱۔

۱۱۸۔ الفوز الکبیر، تحقیقی مطالعہ از علی اصغر سلیمی، ۳۹۔

۱۱۹۔ ایضاً، ص ۳۹، ۴۰۔

۱۲۰۔ سیرت ابن ہشام، ج۱، ص ۳۱۳۔

۱۲۱۔ ایضاً۔ ۱۲۲۔ ایضاً۔ ۱۲۳۔ ایضاً۔

۱۲٤۔ **مجمع الزوائد للهيثمي، ج ۹، ص ۲۳۹۔**

۱۲۵۔ **مکتوب کے متن کے لیے دیکھئے: سبل الهدى و الرشاد سيرة خير العباد از محمد بن يوسف الشافعي (م ۹٤۲ھ)، ج٦، ص ٤١٥۔**

۱۲۶۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: زاد المعاد فی هدی خير العباد، امام ابن قيم الجوزی (م ۷۵۱ھ)، ج۳، ص ۶۳۱، ۶۳۲

۱۲۷۔ طبقات ابن سعد (مترجم)، ج۲، ص ۱۰۱

۱۲۸۔ الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ج۱، ص ۲۹۳، دار صادر للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۹۵۷م

۱۲۹۔ سیرت سرور عالم، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ، ج۲، ص ۵۹۳۔

۱۳۰۔ تاریخ طبری، ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)، ج۱، ص ۴۷۶۔

۱۳۱۔ مکالمہ واتحاد بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں، محولہ بالا، ص ۱۵۲۔

۱۳۲۔ دیکھئے: سیاسی وثیقہ جات، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مترجم: ابو یحییٰ امام خان نوشہروی، ص ۱۹، ص ۳۲-۳۷، ۳۸ تا ۴۷، ۴۹، ۹۶-۱۲۱، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۳، مکالمہ و اتحاد بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں، محولہ بالا، ص ۱۵۳، ۱۵۴۔

۱۳۳۔ ان مراسلات کا بہترین تجزیہ عبدالواجد صاحب نے کیا ہے (الشریعہ، ج۱۶، ش۱۲، ص ۱۶)

۱۳۴۔ تفصیلات کے لیے دیکھئے: مکالمہ واتحاد بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں، محولہ بالا، ص ۱۴۶ تا ۱۵۱

۱۳۴الف۔ دیکھئے: نوید جاوید، ابوالمنصور ناصر الدین، نصر المطابع، دہلی، ۱۲۸۹ھ۔

۱۳۵۔ سورۃ الاحزاف (۳۳):۷۰۔

۱۳۶۔ آل عمران (۳)، ۶۴۔